بسم اللہ الرحمن الرحیم

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

رسالہ

# منازل فقر

## مع شرح

من تصنیف

…ی و مرشدی الحاج مولوی محمد امین صاحب

…ری، قلندری، قریشی، کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (کاشیرہ کشمیر)

از خلیفہ حضور جناب سید محمد نور الزمان شاہ صاحب عالیجاہ بزرگوار
سرچشمۂ علوم ظاہری و باطنی، فاضل وقت، قطب الاقطاب اولیٰ
گوشہ چاند شریف، کالا باغ ضلع میانوالی

جس کو

راجہ محمد ولایت خان صاحب مرحوم نے بغرض سہولت منازل فقر
طالبان راہ و معرفت اور خصوصاً فقرائے سلسلہ عالیہ شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا

رسالۂ

# منازلِ فقر

(مع شرح)

من تصنیف

اعلیٰ حضرت مولائی و مرشدی الحاج مولوی محمد امین صاحب
اویسی، قادری، قلندری، قریشی، کشمیری رحمۃ اللہ علیہ (کاشر و کشیر)

از خلفائے حضور جناب سید محمد نور الزمان شاہ صاحب ظلہ سجادہ نشین
سرچشمہ علوم ظاہری و باطنی، فاضل لاثانی، قطب الاقطاب اویسیؒ
کوٹ چاندنہ شریف، کالاباغ ضلع میانوالی

بسعی کی

راجہ کی ولایت خان صاحب مرحوم نے برائے منفعت منازل الفقر عموماً طالبان راہ معرفت اور خصوصاً خلفائے سلسلہ اویسیہ عالیہ شائع کیا۔

سلسلہ اویسیہ پبلیکیشنز نمبر ۵



پانچواں ایڈیشن

تاریخ طباعت ______ جنوری ۱۹۸۸ء
کتابت ______ محمد صدیق گلزار (لاہور)

— ناشر و شارح : —

محمد نورالدین اویسیؒ امینیؒ (کشمیری)
۳۴۰۴ لنک روڈ - ایبٹ آباد (پاکستان)

Printed by Caxton Printing Co. (Accrington) Ltd.

# فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ

چودھویں صدی کے اس نازک ترین دور میں جبکہ قرآن وحدیث کا علم غیر مذاہب کی لائبریریوں، عجائب خانوں اور مغربی محققین کے سائنسی اداروں کی زینت بنا ہوا ہے۔ مسلمانوں کا بہتّر سے زائد فرقوں میں بٹ کر رہ جانا انتہائی افسوس کا باعث ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ہر فرقہ نے اپنی اپنی سوچ کے مطابق علم القرآن کی شرح کر کے مختلف عقائد و نظریات پیدا کر ڈالے ہیں۔ یوں تو سبھی اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ اور ہر فرقہ اپنے عقائد کو مبنی برحقیقت تصور کرتا ہے۔ لیکن عقائد کے تضاد و تصادم کی بدولت جماعت بندی اور محاذ آرائی کے اس ماحول میں یہ کہنا مشکل ہے کہ کونسا علم اور کونسا طریق اصل ہے۔؟ اور انسان یہ فیصلہ کرنے سے قاصر ہے۔ کہ ان فرقوں میں سے کس فرقے کے علم سے استفادہ حاصل کرے؟ جبکہ ہر فرقہ اپنے عقائد کی صداقت اور دوسرے فرقوں کے عقائد کی تکذیب کے لئے قرآن وحدیث سے ہی مواد پیش کر رہا ہے۔ ان حالات میں انسان شبہات میں گھر کر رہ جاتا ہے۔ کہ ایسی آیات یا ایسی احادیث جو ایک فریق کی طرف سے ایک عقیدہ کی صداقت کے لیے پیش کی جاتی ہیں تو دوسرے فریق کی طرف سے یہی آیات اور یہی احادیث اُسی عقیدہ کی رد میں پیش کی جاتی ہیں یہ کس حد تک ضعیف یا صحیح ہیں؟ جبکہ یہ احادیث صحاح ستہ سے ہی لی جاتی ہیں۔

علمائے اسلام، جن پر دین کے اجراء اور اصلاحِ اُمت کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں

اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کرتے۔ اور اگر کرتے بھی ہیں تو زندگی کی حقیقتیں اور شرعی پابندیاں انہیں اپنے کردار سے بے خبر رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اور یوں وہ حقیقی علمائے امت کی حیثیت سے صحیح معنوں میں تبلیغ و ارشاد کا کام نہیں کر پاتے۔ شریعت نے عالم امت کے لیے جو مقام مقرر کیا ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس مقام کے اہل ثابت نہیں کر پاتے چونکہ عالم امت کی صفت نائبِ رسولؐ اور قائم مقام رسولؐ ہوتی ہے۔ اور قائم مقام رسولؐ کے لیے اسوۂ رسولؐ پر کلی طور پر پابند ہونا ضروری ہے۔ اس لئے عالم امت کو علم قرآن و حدیث اور فقہ کی تحصیل کے ساتھ فقہِ قلبی، مشاہدۂ قلبی، تزکیہ (تقویٰ) اور مجاہدہ حاصل ہو۔ تاکہ اس کے کلام میں قوام پایا جائے جس سے قلوب متاثر ہو کر حقیقت کی طرف رجوع کریں۔ ایک عالم امت کا ذاتی عمل، فہمِ قلبی کے ساتھ ہو، تاکہ دین میں اس کا ذاتی اجتہاد اور عقلی تاویل قابلِ قبول ہو۔ ورنہ ان صفات سے عاری عالم، اپنی عقلی تاویلوں میں فروعی نظریات پیدا کر کے وحدتِ (امت) میں فتنہ اور فرقہ بندی پیدا کرے گا۔ اور امت میں مختلف عقائد جنم لے کر تفرقہ اور جہالت کو فروغ دیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ فی زمانہ علم قرآن و حدیث کے کثرت سے اجراً اور اشاعت کے باوجود مسلمان بے عمل اور دین سے بیزار ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور جو تھوڑے بہت مسلمان احکامِ دین کی پابندی کر رہے ہیں وہ عبادت کا اصل اثر حاصل نہیں کر پاتے۔ عبادت کے اصل اثرات اسی وقت مرتب ہوں گے جب علمائے امت اپنا کردار صحیح ادا کریں گے۔

قرآن نے عالم امت کے لیے بطور نمونہ، رسولؐ کا خصوصی کردار پیش کیا ہے۔
هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ط۔ وہ ذات (اللہ)



ہے (جس نے لوگوں کو ہدایت کی طرف لانے کے لیے) اُمّیوں میں سے ایک رسول اُنہیں میں سے اٹھایا، جو تلاوت کرتا ہے آیتیں اُس کی (اللہ کی) اور تزکیہ کرتا ہے۔ اُن کا، اور سکھاتا ہے کتاب (قرآن) کو اور چھپی ہوئی کیفیتوں کو۔ سو دینِ الٰہی کی ترویج و اشاعت کا یہی طریق (ایک) رسول اپناتا ہے۔ یہی علم، یہی عمل، عالم امت کو وراثتِ رسولؐ میں حاصل ہوتا ہے۔ حاصل ہونے سے مراد یہ ہے۔ کہ عالم امت میں بھی یہی خصوصیات پائی جائیں۔ اور قائم مقام رسولؐ ہونے کی صورت میں آیتِ بالا کا کلی طور پر حامل ہو۔ یعنی تلاوتِ قرآن میں يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ علم القرآن میں معانی، تفسیر، استعارات، تشبیہات، محاورات، صرف و نحو وغیرہ سے مکمل آگاہی رکھتا ہو۔ وَيُزَكِّيهِمْ اسے (خود کو) تزکیہ حاصل ہو۔ تزکیہ سے مراد شریعت کی پابندی، پاک رہنا، حلال اور پاک روزی کمانا، سچ بولنا اور سچ پر چلنا، روزی کے لئے کسی دوسرے کا محتاج نہ ہونا بلکہ جائز ذرائع سے حلال اور پاک روزی حاصل کرنا۔ کسی افسر کے دروازے پر بغرضِ حصولِ دُنیا حاضری نہ دینا، عوام کو دھوکے میں نہ ڈالنا۔ اور نہ ہی عوام سے روزی یا روپیہ کا طلب گار رہنا۔ اپنی شخصیت تسلیم کرانے یا اپنے مقتدی بڑھانے یا جماعت بنانے کے لئے منبر پر چڑھ کر سیاست کا استعمال نہ کرنا۔ اپنی امامت یا اپنا علم تحصیل معاوضہ پر فروخت نہ کرنا۔ دین کے اجراء میں کسی حاکم (جو غیر الٰہی قانون کا داعی ہو) سے نہ ڈرنا بلکہ اللہ کا کلام لوگوں تک بے باک ہو کر پہنچانا۔ کلمۂ حق کہنے میں کسی کا خوف مانع نہ آنے دینا، اپنا محاسبہ عوام کے سامنے کرنا، اپنی کمزوری اور نقص کو اہانت کے ڈر سے نہ چھپانا۔ اس کے علاوہ تزکیۂ ذاتی یعنی جسم پر مشقت ڈالنا، رات جاگنا، فاقہ کرنا، تہجد پڑھنا اس حال میں کہ مشاہدۂ قلبی یا فقہِ قلبی (الہامی کیفیت) حاصل ہو۔ تاکہ قرآن کی جو تفسیر یا تاویل ہو وہ الہامی اور حقیقی کیفیت ہو۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

وَالْحِكْمَةَ مدا ایسا عالم خود تزکیہ کرنے والا ہو۔اور دوسروں کا تزکیہ کرنے والا ہو۔ یعنی راتوں کی عبادت پر مداومت کرنے والا ہو۔ تاکہ اس کے کلام میں قوام پیدا ہو۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً ۝ رات کے جاگنے میں شدید محنت پائی جاتی ہے۔اس سے تمہاری کثیف نفسانی آلائشیں کچل کر رہ جائیں گی اور تمہاری بات میں قوام (پختگی) پیدا ہوگا۔ نفس کے کچلے جانے سے رُوح و قلب روشن ہوں گے تو تمہیں فقہ قلبی اور مشاہدۂ قلبی حاصل ہوگا۔ اور نتیجتاً علم القرآن کا اجراء و اشاعت حقیقت پر مبنی ہوں گے۔ جب تم ایک عالم کی حیثیت سے بحیثیت قائم مقام نبیؐ و رسولؐ اس کے علم و عمل کا اجراء کرو گے۔ تو تمہاری تعلیم اور تمہارا وعظ لوگوں کے دلوں پر اثر کرنے والا ہوگا۔ وہ تمہاری تقلید کریں گے۔ تمہیں سچا سمجھ کر تمہارے قول پر بھروسہ کریں گے۔ اور تمہارے علم کو حقیقی سمجھ کر اس طریق و عمل کو اختیار کریں گے۔ پھر تم پر لوگوں کو علم سکھانا اور ان کا تزکیہ کرنا فرض ہوگا۔ تم جو بات بھی امر و نہی کی کرو گے لوگ تمہارے قول و فعل کے مطابق عمل کریں گے۔ ان میں نیکی کی طرف رجوع اور بدی سے پرہیز کا مادہ پیدا ہوگا۔ یہ اُسی وقت ہوگا جب تم نمونہ کے طور پر اپنا عمل پیش کرو گے۔ اور کلام کے قوام کی بدولت تمہاری بات لوگوں کے دلوں میں اُتر جائے گی۔ پھر اُن میں حقیقت کے طلب گار ہوں گے۔ اُن کا تزکیہ کرو۔ اُن کے قلب اپنی نوری توجہ سے پاک کرو۔ اِس تزکیہ کی بدولت اس کتاب میں اسرار اور رجالِ ارکانِ علم سے متعلق متشابہات، مشاہدۂ قلبی سے تم پر ظاہر ہوں گے۔ اور ..... ، وَالْحِكْمَةَ ۝ قرآن کے پوشیدہ اسرار بھی تم پر ظاہر ہوں گے۔

حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے عالم کی حیثیت کَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ ہے۔ یہ مقام اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ و ارفع ہے۔ جو



چند کتابوں کی سند سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ مقام مانندِ صحابہؓ ہے۔ جو لوگ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کمال حاصل کئے ہوئے ہیں۔ عوام کے مقابلہ میں ان لوگوں کو یعنی علمائے اُمت کو (فقہ، اجتہاد، فقہِ قلبی، مشاہدۂ قلبی، تزکیہ، مجاہدہ بدرجہ اولیٰ حاصل ہونا چاہیئے۔ ان کا علم سلامتی (سلام) کا حامل اور نفع بخش، فتنہ و فرقہ بندی کو ختم کرنے والا ہونا چاہیئے۔ جب وہ اشاعتِ دین کریں تو لوگ اسلام کی عظمت جوق در جوق قبول کریں۔ ان کے ایک ہی وعظ سے کافر اسلام میں داخل ہوں۔ ان کے کلام کے اثر سے دین سے فرار چاہنے والے اسلام پر نکتہ چینی نہ کریں بلکہ ہر مسلمان صحیح معنوں میں دین کے احکام پر کاربند ہو جائے۔ ان کے وعظ و تبلیغ سے مسجدوں میں فرقہ وسلک اور امامت پر قتل اور مقدمہ بازی نہ ہونے پائے بلکہ ہر مسلمان جذبۂ ایمانی میں اُخوت اور احسان کا مادہ حاصل کرکے ایک واحد جماعت بن کر اسلامی معاشرہ کی صحیح شکل پیدا کرے۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن و حدیث ہاتھ میں لینے والا عالم، خلیفہ و نائبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ایسا عالم، اُمت کا امیر ہوتا ہے۔ جب وہ قرآن کو ہاتھ میں لیتا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کسی کے خود ساختہ قانون اور بد اعمال کی اس کے سامنے کوئی گنجائش نہیں۔ عالمِ اُمتِ محمدؐ رسول اللہ ایک مجاہد ہوتا ہے۔ جسے دینِ الٰہی کی تمام مخالف قوتوں کو مٹا کر نظامِ الٰہی قائم کرنا ہے۔ وہ نظامِ الٰہی کیا ہے؟۔ قرآنی شریعت پر خود عمل کرنا اور ہر انسان کو اس پر عمل کرانا ہے۔ جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق پر چل کر ہی ممکن ہے۔ آپؐ نے دین کو امانت، صداقت اور ذاتی حسنِ اخلاق سے پھیلایا۔ یعنی اپنا ذاتی کردار پیش کیا۔ اِس لیے عالمِ اُمت کے لیے بھی یہی طریق ہونا لازم ہے کہ وہ امین و صادق ہو۔ اور اپنا ذاتی کردار پیش کرے۔ ورنہ قرآن و حدیث، فقہ منقول، معقول کی تحصیل کرکے وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ صرف عوام تک فروعی طریقوں سے

رسالے اور کتابیں چھپا کر یہ سمجھنا کہ ہمارا کام محض سُنانا ہے۔ کہ نا کرنا لوگوں کا اپنا بندوبست ہے۔ اِس سے عالمِ اُمّت کے کردار کا مظاہرہ اور تکمیلِ فرائض نہیں ہو سکتی۔ فی زمانہ یہ حقیقت ہے۔ کہ دنیا میں کثرت سے مسلمان پائے جاتے ہیں۔ چپّہ چپّہ پر مسجدیں بنائی جارہی ہیں۔ اور ہر مسجد میں ایک تنخواہ دار عالم بھی ہے اور ہر شہر اور ہر محلّہ میں علمائے کرام جلسوں پر جلسے جا رہے ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود فتنہ، تفرقہ، جہالت و لاعلمی، شرک و بدعت، فساد و خونریزی بے حیائی اور دین سے فرار ترقی پذیر ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ علمِ حقانی اپنی اصل صورت میں پیش نہیں کیا جارہا۔ ورنہ قرآن و شریعت کے اجراء کی تاثیر مَعُوْذٌ مُّبِیْنٌ ہے۔ جب قرآن پیش کیا جائے تو اس کا نتیجہ بے دینی اور فساد ہرگز نہیں بلکہ سلامتی ہے۔ ہر عالم، ہر درسگاہ میں ایک ہی قرآن کی تفسیر پاتا ہے۔ اور کسی بھی عالم کے پاس سوائے قرآن و حدیث کے کوئی دوسرا علم نہیں لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ یہی علماء اسی قرآنی علم پر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے ہیں اور ہر عالم اپنا فرقہ بنانے پر اپنا زور صرف کر رہا ہے۔ اس طریق فرقہ بندی کے لیئے بھی وہ قرآن و حدیث ہی کو پیش کر رہا ہے۔ اس کی یقینی وجہ صرف علماء کی ذاتی و عقلی تاویلات ہیں۔ ہر عالم اپنے پسندیدہ عقائد کی حدود میں قرآن و حدیث کی شرح کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ لاعلم عوام ایسی شرعی دلیلوں اور تاویلوں کو دیکھ سن کر حسبِ پسند فرقہ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور نادانستہ دوسرے عقائد کی تکذیب کرتے ہیں جس سے مختلف فرقوں کے درمیان نفرت اور مخالفت بڑھتی جاتی ہے۔ حالانکہ کوئی شخص اپنے تئیں تمامی علم پر کلّی طور پر احاطہ کر چکنے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جبکہ کوئی شخص یہ دلیل نہیں دے سکتا۔ کہ وہ خود تمامی علم پر کلّی طور پر احاطہ کر چکا ہے۔ اسی کیفیت سے اندھی تقلید پیدا ہوتی ہے۔ کہ ہر شخص علماء کی عقلی تاویلوں پر اکتفا کر کے ایک نئی راہ پہ جارہا ہے۔ اور اپنی پسند کردہ راہ کو ہی عین حقیقت سمجھنے پر بضد ہے۔



حقیقت یہ ہے۔ کہ قرآنی علم کو فقہِ قلبی اور مشاہدہِ قلبی کے ساتھ رُوحانی صحیفہ کی حیثیت سے پیش نہیں کیا جارہا۔ گو کہ قرآن انسان کو صرف صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے اور معرفتِ الٰہی کے حصول کے ذریعہ کے طور پر آیا۔ مگر علماءِ اُمّت اِس روحانی صحیفہ کو بھی اپنے پسندیدہ عقائد میں ڈھالنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔ کوئی تو اسے دُنیاوی نظام کے عُروج کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ تو کوئی صرف اُحکام کی ظاہری نمائشیں اور حصُولِ جنّت کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ اور اِس شریعت میں رُوحانیت کو شامل نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسے عالمِ شریعت کو تزکیہ، مجاہدہ اور مشاہدہِ قلبی کا طریق حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح کوئی اسی قرآن ہی کو خالص طریقت میں استعمال کرتا ہے۔ اور اس طریق میں بھی قرآن کو عقلی تاویلوں کے ساتھ دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایسے عالم کو بھی تزکیہ، مجاہدہ، تقویٰ، مشاہدہِ قلبی حاصل نہیں ہوتا۔ جس سے وہ اپنی مافوق الفطرت قوت سے ماورائے اِدراک علم کی دلیل دے سکے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ تو علمِ شریعتِ ظاہری پر ہی کسی انسان کا دل جمتا ہے۔ اور نہ ہی علمِ باطنی پر ہی کوئی ایمان لاتا ہے۔ بلکہ ہر فریق دوسرے کی تکذیب کر کے ایک دوسرے پر کُفر و شرک کے فتوے لگا رہے ہیں۔ جس سے فرقوں میں مخالفت اور دُشمنی بڑھتی جا رہی ہے۔

اِن عقائد کے تضاد کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ نہ تو شریعت کے علمِ ظاہری کو اصل دین سمجھا جاتا ہے۔ اور نہ ہی طریقت کو علم کی حیثیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ مخالفین کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے شدّت کے ساتھ متصادم ہیں۔ ایک جماعت علمائے ظاہری یعنی اصل شریعت پر چلنے والے خالص توحید کے دعویداروں کی ہے۔ اور دُوسری جماعت صاحبِ طریقت علماء کی ہے۔ جو رُوحانیت کے حامل ہیں۔ لطف یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو کافر، مشرک، بدعتی اور وہابی کے القابات سے نوازتے ہیں۔ اِسی پر بس نہیں بلکہ جماعتوں کے اندر اپنے عقائد کے اختلافات

کی بدولت فساد و قتل پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے۔ کہ کیا اجرائے دین اور اشاعت اسلام کا یہی طریق ہے۔ یا ستم ترین ہے۔ کہ اسی بابی فساد و عناد میں حقیقی علم کی تکذیب کی جاتی ہے۔ اور انتہائے ستم یہ کہ جس ہستی نے اس حقیقی علم، قرآن کو پیش کیا اُن کی شان میں دیدہ دانستہ گستاخی کی جا رہی ہے۔ جس رسولؐ نے یہ رُوحانی صحیفہ پیش کیا۔ اور رُوحانیت کو دُنیا پر جاری کیا۔ ایسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر بے سُنی بخشیں اور تنقیص پیش کی جا رہی ہیں۔ اس عظیم ظلم کی سب سے بڑی وجہ وہ علماء ہیں جو طریقِ روحانیت کو غلط انداز میں پیش کر کے اپنی لاعلمی کی بنا پر یں گمراہت آراء طے کر کے اس رُوحانی صحیفہ اور رسولِ مُعظّم کی شان کو گرا رہے ہیں۔ ایسے علماء ولایت کا دعویٰ کر کے عوام المسلمین کو غلط علم پہنچاتے ہیں اور اُنہیں غلط راہ پر لے جا رہے ہیں۔ اسی طرح علمائے شریعت بھی اپنی ضد اور لاعلمی کے باعث رُوحانیت اور صاحبِ روحانیت "نبی" صلی اللہ علیہ وسلم کی اُولُو العزمی کی نفی کر دیتے ہیں۔

یوں تو مسلمانوں میں نہ شریعت کی رُوح باقی ہے۔ اور نہ ہی طریقت کی رُوح پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے یہ رُوحانی صحیفہ عامۃ المسلمین کے لیے بے قیمت اور بے مقصد ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت ہے۔ کہ اس صحیفہ کو اس کی رُوحانی عظمتوں کے ساتھ پیش کیا جائے جس سے زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی کامیابی ظاہر ہو۔ قرآن کے نزول کی اصل علت یعنی معرفتِ الٰہی اور طریقِ حصولِ معرفت کے علم کو خصوصی طور پر پیش کیا جائے۔ تاکہ ہر انسان پر قرآنی حقائق اور اصل علم واضح ہوں۔

اسی مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر رسالہ "منازلِ فقر" ترتیب دیا گیا ہے۔ تاکہ ہر شخص کا قرآن کی رُوحانیت کی طرف رجوع ہو۔ اور وہ اسی طریق و علم کے تحت قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ یہ طریق ہر خاص و عام کے لیے مقرر ہے۔ کہ ہر شخص قرآن کو رُوحانی صحیفہ کی حیثیت سے



مطالعہ میں لائے۔ اور چونکہ اس طریق کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اور منازلِ فقر بھی متشابہات میں شمار ہیں۔ اس لیے یہ رسالہ "منازلِ فقر" طالبانِ راہِ حقیقت کے لیے خصوصی طور پر ایک کسوٹی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ ولایت و رُوحانیت کا دعویٰ کرنے والے علماء جب تک اِن اَسرار سے آگاہ نہ ہوں اُن پر لازم ہے۔ کہ ولایت کا دعویٰ نہ کریں۔ اور نہ ہی اپنے موجودہ مقام پر لوگوں کو روحانیت کا سبق دیں۔ نہ لوگوں کو بیعت کریں اور نہ ہی کسی کو معرفت حاصل کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لیں۔

اِس رسالہ میں طالبانِ حقیقت کے لیے بھی ایک طریق پیش کیا جاتا ہے۔ کہ "منازلِ فقر" کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص ولایت کے دعویدار میں ان خصوصیات کو تلاش کرے کہ آیا ایسا ولی ان منازل کو طے کر کے مقامِ فنا و قُربِ الٰہی اس حد تک پا چکا ہے۔ کہ اُسے ولیٔ کامل کا درجہ حاصل ہو۔

وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

العبد

مُحمّد نُورُ الدّین اویسی

۲۰۴۳۔ لنک روڈ ایبٹ آباد۔ پاکستان

(شارحِ منازلِ فقر)

# دیباچہ منظوم فارسی "منازلِ فقر"

یہ مختصر سا رسالہ برائے ضبطِ منازل و پیش کرنے کا طریقہ حضرۃ صوفی طبع اصحاب کے لیے چھپوایا گیا ہے۔ اس سے سادہ اور کم فہم اشخاص کو جال میں پھنسانا اور کسی قسم کا پروپیگنڈہ مقصود نہیں۔ جو لوگ شوقین ہوں اُن کے لیے راقم نے یہ رسالہ محض حقیقت کو پیش کرنے کے لئے حسبِ ارشاد مرشدی و مولائی شائع کرایا ہے۔ اور امید ہے کہ خدا اور اس کے رسولِ پاک کے متبرک راستہ حضرۃ سے شائقینِ تصوف حسبِ حیثیت فائدہ اٹھا کر اسلام کی خدمت جیسی کہ واجب و لائق ہے۔ اپنی اپنی زندگی میں بجا لانے کی کوشش کر کے نورِ وحدانیت کو حاصل کریں۔ تاکہ اُن کو آخرت میں اپنے خالق کے حضور شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

راجہ سخی ولایت خان (مرحوم)
سرینگر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

# حمدِ باری تعالیٰ

حمد بے تعداد بے حد بے شمار
لائق ہست مر خالق لیل و نہار

وہ ذاتِ لامحدود ہی اس لائق ہے کہ اُس کی حمد اُس کی ذات و صفات کے اعتبار سے کی جائے۔ کہ وہ ہر شئے کا خالق و معبود ہے۔ اُسی نے رات اور دن بھی بنائے جب کہ ایک کیفیتِ نُورِ لامحدود میں ظلمت وجود پا نہیں سکتی۔

انقلابِ روز و شب از جودِ او
فیض آرد اندر عالم بودِ او

کائناتِ عالم میں ہر شئے مخلوق۔ انسان کی فیض رسانی کی خاطر ہی بنی۔ اور یہ رات اور دن بھی انسان کے لیئے بنائے گئے۔ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مذ زمین کی ہر شئے صرف انسان کے لیئے وقف کی گئی۔ انسان انہیں ہر طرح استعمال کرنے کا حق رکھتا ہے۔

ہستیٔ عالم بحکمت ذاتِ خود
اعتدال اندر عناصر مے بُرد

یہ تمام کائنات اس خالق کی حکمت کا ایک نمونہ ہے۔ کہ ہر شئے اپنے اندر

بندگی میں محوِ عمل ہے۔ اور باوجود مدتہا مدت گزرنے کے اِس نظامِ کائنات میں ذرہ بھر فرق۔ نہ اُس کی تخلیق و عادت میں۔ نہ اُسی کی رفتار میں کسی زمانہ میں پایا گیا۔

## جُودِ اُو ہر چیز را دادہ بقا
## سُوئے ذاتِ پاکِ اُو آرد ثنا

ہاں! یہ تمام مخلوق۔ یہ تمام موجودات، ایک مظہر کی حیثیت سے ہیں۔ جب ذاتِ احد و لامحدود کی واحدیت و لامحدودیت کو پہچانا جائے تو یہی ثابت ہوگا کہ یہ مظہر بُنیادی طور پر اُسی ذاتِ احد کے نُور سے ظاہر ہُوا۔ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وُہی ذات اِس تمام کائنات کی بقا کا اِبتدائی وجُود ہے۔ اور جب اِن کیفیاتِ کُنہ پر نظرِ عمیق ڈالی جائے تو ہر شے میں اُسی خالق کی صفتِ خالقیت کو اور اس کی نُورانیت کو پہچانا جائے گا۔ یُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ۔ تسبیح کرتے ہیں واسطے اُس کے سات آسمان اور زمین اور جو کچھ (مخلوقِ نوری و مادی) اُن میں ہے۔ نہیں کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے ساتھ اُس کی حمد کے۔ لیکن اِنسان بغیر فقہِ قلبی کے ان کیفیات کو سمجھ نہیں سکتا) ہر شے اُس خالق کی خالقیت اور معبُودیت کا نشان بتا رہی ہے اور یہ سب کائنات اپنی ذات کے اعتبار سے اُسی خالق کی ہر لمحہ ثنا کر رہی ہے ہر شے سے جو شانِ تخلیق نمایاں ہو رہی ہے۔ یہ سب اُسی ذاتِ حقیقی کی خوبصورتی کے نشان ہیں۔ جن سے اُس کی پہچان ہو رہی ہے۔



## ہستیِ اَشیائے عالَم کُل بدان
## مخزنِ اسرارِ الست را بیان

تمام عالَم کی اَشیاء میں ذاتِ الٰہی کی کاریگری کا ایک عظیم الشّان مُظاہرہ ہوتا ہے کہ اُس رَبُّ العٰلمین نے ہر شے مخلوق کو اُس کی نشوونما و ارتقا کے تمامی سامانِ ربوبیت ایک خوبصورت انداز میں فراہم کر دیئے ہیں۔ کہ ہر شے اپنے محل پر اپنا سامانِ زندگی حاصل کر رہی ہے۔ جہاں پھُول کو اپنی زندگی کا سامان حاصل ہو رہا ہے اُسی جگہ سے کانٹا بھی اپنا سامانِ زندگی حاصل کر رہا ہے۔

## از موجُوداتِ گزیدہ نوعِ اِنس
## مخزنِ اَسرارِ حق را ہست جنس

"اِس تمام مخلوق میں ایک اِنسان ہے۔ جو تمام مخلوقِ ارضی و سماوی پر فضیلت حاصل کئے ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو بڑھائی عطا کی اور غلبہ و اختیار دیا اسے خشکی و تری پر) اَرضی پیدائش میں اِنسان کو خصوصی طور پر اشرفُ المخلوقات بنایا۔ اور اُس کا حکم خشکی و تری پر جاری کر دیا۔ کیونکہ یہ چیز ہمارے ارادے میں آ چکی تھی اَزل سے۔ کہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً۔ زمین پر ایک اشرفُ المخلوقات اِنسان بنایا جائے۔ جو اپنی خصُوصیت کے اعتبار سے مخلوقِ سمٰوات وَالارض پر فضیلت حاصل کئے ہو۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوقِ نوری و مادی میں اِنسان کو ایک عظیم مرتبہ و علم و خبر یعنی آگاہیِ اَسرارِ الٰہی عطا کر کے کائنات میں برگزیدہ بنایا۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ ہم نے آدم میں اپنی رُوح پھُونک دی۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا۔ اور علم دیا آدم کو تمامی اسمار (یعنی اسرارِ الٰہی) کا اس کا تعلق نفخِ رُوح سے تھا۔ یہی وہ اکرام و برتری ہے جس سے آدم و بنی آدم تمام مخلوقِ ارضی و سماوی میں مکرّم ٹھہرے۔ یہ عطیۂ الٰہی تھا۔ اور اسی خصوصیت کو لیکر انسان زمین پر ٹھہرا۔ یہ اس لیے کہ

از پے تعبیدِ ذاتِ لایزال
کرد نوعِ آدمی را پُر کمال

یہ تمام کمال اس سے حاصل ہوا کہ اسی خوبی کے ساتھ اس آدمی کے ذمّہ ایک بارِ امانت رہا کہ وہ اپنی خصوصیاتِ علم نبوّت و عبادت کو تصوّرِ ذاتِ الٰہی سے اِلیٰ حِینٍ[1] تک اپنی رُوحانی اور سفلی خاصیتوں کے ساتھ زندگی کے آخری دم تک قائم رکھے۔ بس انسان۔

از کمالِ علم و ادب و روشنی
گیرد از فضلِ الٰہی چاشنی

اپنے کمالِ علم و مشاہدہ اور قربِ الٰہی سے اپنے آپ کو مزیّن رکھتے اور ہر لمحہ تجلیاتِ الٰہی کی چاشنی سے محظوظ اور مسرور رہے۔ اسی مشاہدہ و عرفان اور علم و خبر کی خصوصیت سے انسان ملائکہ سے بالاتر (علم پانے والا۔ خبر دینے والا) کہلایا۔ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ۔ پس جب آدم نے ملائکہ کو اُن کے احوال کی خبر دی۔ تو نبی (خبر دینے والا) کہلایا۔ اُس کے بعد ہر وہ ارضی پیدائش۔ نوعِ آدمی جسے سَوّٰی اور نفخِ رُوح کی خصوصیت حاصل ہوگی۔ علم الاسماء سے آگاہی حاصل کرے

[1] مرتے دم تک۔



ہوگا جس نے اِلیٰ حِینٍ تک اپنی خصوصیتِ خلافت کی حفاظت کی وہ برگزیدہ ہے گا۔ اور جس نے تصوّراتِ ذاتِ الٰہی میں دُنیوی حصول کو داخل کرکے شاہدہ اور جسمانی خصوصیتِ سَوّٰی (آراستگی) کو ضائع کیا وہ خلافت سے گر کر ذلیل ہوگا۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ جنہوں نے اپنی خصوصیتِ سَوّٰی۔ آنکھ۔ کان اور دل کو ذاتِ الٰہی کے مشاہدہ میں استعمال نہیں کیا وہ خلیفہ نہیں بلکہ حیوان اور حیوانوں سے بدتر کہلائیں گے۔ سو ایسی حالت میں جبکہ زمین پر نوعِ آدمی میں خلافت و نبوّت کی خصوصیت باقی نہ رہے۔ تو ایک نبی کو مصطفیٰ (منتخب) کرکے رسول کی حیثیت سے مبعوث کیا گیا۔ ایسی ہستی "نبی" اور "رسول" کہلائی۔ کہ اس کی خصوصیتِ نبوّت کی حفاظت رہی۔ اور اُسے ہدایت کا ایک طریق دیا گیا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى۔ جب انحراف و ذلّت کی حالت میں نوعِ آدمی میں خصوصیتِ نبوّت و خلافت باقی نہ رہے۔ تو پھر استخلافت حاصل ہونے کے لئے۔ ایک نبی کو رسالت کے لئے منتخب کرکے اپنی شریعت و ہدایت دے کر بھیجوں گا۔ یہ آدمی "نبی" علیٰ حالہٖ ہوگا۔ اور رسول ہوگا جو اس ضرورت کی تکمیل کرے گا۔ پس اس ضرورت کی تکمیل کل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی۔ یہی وہ ہستی ہے جو تمام انبیاء و رسولوں کے سردار اور افضل ترین انسان ہیں!

# در نعت سید الانبیاءؑ

پس محمدؐ سید الانبیاء بداں
اندر نوعِ آدمی ہستی کلاں

اسی نبی نے انبیاء (مخلوق انسانی) کے مقصدِ نبوت اور رسولوں کے مقصدِ رسالت کی تکمیل کر دی اسی نبی کو خَاتَمَ النَّبِيِّينَ سَيِّدَ الْمُرْسَلِينَ کہا گیا۔ کہ کائنات کے ہر بشر کو تمام اسرارِ الٰہی سے قرآن و وحی کے ذریعہ آگاہ کیا۔ اور ہر طالب کو اس کے مطلوب تک پہنچایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ اللہ نے ان لوگوں پر احسان کیا جو مومن ہو چکے ہیں۔ کہ ان کی گمراہی کی حالت میں اُن میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ جو انہیں میری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے اس کتاب کے ظاہری و باطنی (احکام و متشابہات) آثار سے یہ چیز ارادۂ ازل میں مقرر ہو چکی تھی کہ ارضی مخلوق میں ایک ایسے آدمی کو مخصوص کیا۔ جس نے ارادۂ ازل کی کُلی طور پر تکمیل کرنا تھی۔ وہ یہی خلیفۂ اعظم سید الانبیاء ہیں جن پر اتمامِ نعمت ہوا۔ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي۔ یہی وہ نبی ہے۔ جسے فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ اُن تمام اسرار کا مشاہدہ کرایا گیا۔ جو اسرارِ ذاتِ الٰہی کے خزانہ میں پوشیدہ تھے (جن سے اللہ اور اس کے رسول حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی آگاہ ہیں) اور کسی نبی کسی بشر کو ان اسرار کا علم نہیں۔ "مَا أَوْحَىٰ" وہ کیا اسرار ہیں؟ یہی وہ نبی ہیں جو خلیفۃ اللہ۔ خلیفۂ اعظم



کہلانے کے مستحق ہیں۔ کہ انہیں تمام اسرارِ ظاہری و باطنی کی آگاہی حاصل ہے۔ اسرارِ الٰہی کا کوئی ایسا بھید نہیں جو فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ میں آپ سے پوشیدہ رکھا گیا ہو۔ یہی نبی ہے جس نے انسان کو اس کے مقصود تک پہنچایا۔ یہی نبی ہے جو رسولِ اعظم ہے۔ جو مخلوق کے لیے عرفان کی کشادہ راہیں لے کر آیا۔ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ ہر اسرارِ نبوت کو واشگاف بیان کیا۔ وَيُزَكِّيهِمْ انسان کے روح و جسم کو پاکیزہ بنا کر قلب کو روشن کر دیا۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ اسے علم القرآن میں اسرار و معرفت سے آگاہ کیا۔ وَالْحِكْمَةَ اور ان پوشیدہ اسرار سے انسان کو آگاہ کیا جن سے وہ بے خبر ہو چکا تھا پس یہی وہ ہستی کامل ہے جس سے انسانیت اور ارادہ الٰہی و ازلی کی تکمیل ہو گئی۔ یہی وہ نبی ہے جس سے إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً کی ابتدا بھی ہوئی اور انتہا بھی ہوئی۔ یہی وہ نبی ہے کہ

عِلتِ ایجادِ عالم ہم بقا
منبعِ انوارِ عالم ہم صفا

اللہ تعالیٰ کے کُن کی ابتدا بھی اسی نور سے ہوئی۔ (حدیث) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُورِي۔ جس کی صفت مُحَمَّدٌ ہے۔ اسی نور سے کائنات کے تمام آثار و اسرار و وجودوں کا ظہور ہوا۔ یہی نور تمام موجودات کی علت ٹھہرا۔ یہی نور ہے جو کائنات کی ہر خوبی و کمال کا بنیادی وجود ہے۔ اسی لیے آپ کو مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ مقدس عطا ہوا۔ جو تمام کائنات میں ازل سے ابد تک کسی کا ہوا نہ ہو گا۔ یہی نور ہے جس کی ابتدا اللہ نے اپنے نور سے کی۔ اپنے ہی نور سے ایک جز کو مصطفیٰ کر کے اس ارادہ کی تکمیل کے لیے نقطہ کی حیثیت دی جس سے تمام

کائنات کا وجود ہوا۔

خاتمِ ہر قرب ہر درجۂ نور
یک مجسّم نور از ربِّ غفور

یہی نور ہے جو اسرارِ الٰہی کے ہر مدارج و منازل کا بنیادی وجود ہے۔ یہی نور ہے جس کی ہر نور، ہر مادّہ، ہر وجود پر مہر لگی ہے۔ کہ ھٰذَا "مُحَمَّدٌ" یہ سب نورِ محمدی سے بنا ہے۔ اور اس نور کی ذاتی بنیاد نورِ الٰہی کی جڑ ہے۔ اُسی نور کا ظہور خلیفۂ ارض کی صورت میں نام احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ کہ آپ نے اپنی احمدی صفت سے انتہائی حد سے اپنی خصوصیاتِ نبوت و رسالت کی انتہائی تکمیل کی جس کی کیفیت سے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی کُلی طور پر تکمیل ہو گئی کہ

رحمتٌ للعٰلمین دان از خدا
قوم خود را راہنمائندہ بقا

ایسی ہستی احمدِ مجتبےٰ نے مخلوقِ ارضی کو خلیفہ کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔ جبکہ اللہ تعالےٰ نے کہا۔ قُمْ فَاَنْذِرْ اور بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ٭ یا رسول اللہ اب ارادۂ ازلی کی تکمیل کیجئے۔ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی کے وعدے کی تکمیل کیجئے اور لوگوں کو ان کے انجامِ بد سے ڈرائیے۔ اور جو ہدایت میں نے آپ کو دی اُن تک پہنچائیے۔ کیوں کہ میرے ارادۂ ازلی میں یہ مقرر ہو چکا ہے۔ کہ آپ کے ذریعہ ہی خلافتِ ارضی کی تکمیل کُلی ہو۔ اس لئے آپ کو رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا خطاب دیا جاتا ہے۔



پس تعلق باقی از باقی بود
چوں بسوئے فیض مشتاقی بود

یا رسول اللہ آپ کے ذریعہ ہم نے ہدایت و عرفان کو آسان کر دیا۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ ٭ جو شخص اس کی طرف رجوع کرے گا مقصود پائے گا۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ تھوڑی محنت سے بھی انسان آسانی سے اپنا مقصود پائے گا۔ بس لے ابنِ آدم! جب تو اپنی اصل سے وصل کا مشتاق ہوگا۔ تو تیرا تعلق ماسوٰی سے الگ ہو کر اسی ذاتِ حقیقی سے قائم رہے گا۔ وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا ٭ یاد کر اپنے رب کی اور ماسوٰی سے علیحدہ ہو کر اسی کا ہو جا۔ تو تو آسانی سے اس کا قرب حاصل کریگا۔

پس محمّد چشمۂ فیض جہاں
از قدیمی کان یک بحرِ عیاں

محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کے لئے معرفت کا چشمہ ہیں۔ انہیں سے انسان کو فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ اگر تم حقیقت کو پانے کے لئے اللہ کی رضا حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو اس جہان کی فانی نمائش سے منہ موڑ کر صرف اللہ کے ہو جاؤ اور ہر لمحہ تصورِ ذاتِ الٰہی میں منہمک ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ تمہارا انہماک حُبّ کی صورت اختیار کر جائے اور ایک طالبِ صادق کو سوائے محبوب کے اور کوئی شے ماسوٰی محبوب نہ رہے۔ سو اگر جذبۂ حُبّ حاصل کرنا چاہتے ہو تو اُس کا طریق یہ ہے کہ اِتباعِ رسول ؐ کو اپنے لئے لازم رکھو یہاں تک کہ تعمیلِ ارشاد میں کیفیتِ حُبّ پیدا ہو جائے کہ تم رسول ؐ کو اپنی ہر شے سے

زیادہ عزیز جانو۔ ورنہ۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔ جان لو۔ اِحُبّ کا طریق یہ ہے کہ تم اپنی ہر عزیز شے سے زیادہ آپ سے محبت رکھو۔ اس محبت میں اپنے محبوب کے سوا کسی عزیز شے کا تصور حائل نہ ہو۔ اور تمہیں نورِ محمدیؐ کے سوا اور کچھ نظر نہ آئے۔ یہی نورِ محمدیؐ وجہِ فیضان ہوگا۔ اور اسی نورِ محمدیؐ۔ اتباعِ محمدیؐ میں تمہیں ذاتِ الٰہی کا عرفان حاصل ہوگا۔ کیونکہ اِس نورِ محمدیؐ کا توسّل ذاتِ الٰہی کے نور سے ہے۔

چوں مَن عاصی آلودہ صد گناہ
غوطہ زدہ پُر صفا آید براہ
ہر کہ آں در سایۂ احمد رسید
شد یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ پدید

ہاں مجھ جیسا کمزوریوں سے آلودہ انسان بھی اگر اس نورِ محمدیؐ میں غوطہ زن ہو۔ تو وہ بھی تمام آلائشوں سے پاک ہو کر خالص ہو جائے گا۔

جو شخص بھی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کے سایہ میں آیا۔ گویا اللہ کے نور کا سایہ اس پر ہوگا۔ اللہ اُس پر راضی ہوگا۔ اُس پر انعام ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہو جائے گا۔

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ۔ تحقیق جن لوگوں نے بیعت کی آپ سے بجز اس کے نہیں بیعت کی اللہ سے۔



اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اُوپر ہوتا ہے۔ اللہ راضی ہوگیا اُن مومنوں سے جنہوں نے درخت کے نیچے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر اللہ کی رضا اور دین کی حفاظت کے لئے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا۔ اُس وقت دو ہاتھوں کے اُوپر تیسرا ہاتھ اللہ کی رضا کا تھا۔

ہاں ایسی طریقِ اتباع ہے۔ یہی طریقِ حُبّ ہے۔ اِکہ عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی ہمراہی میں بیت اللہ کا ارادہ کیا۔ اُن کا مقام "تحت الشجر"[1] پر تھا۔ کہ شہادتِ عثمان رضی اللہ عنہ کی خبر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشقوں کا امتحان لیا۔ کہ کون طالبِ صادق۔ عاشقِ صادق۔ ہمارا ساتھ دے کر دشمنوں میں قتل ہونے کے لیے تیار ہے؟ عاشقانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عقل حد و قید سے علیحدہ ہو کر اپنی جانوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر فروخت کر ڈالا۔ ہر شخص اس کیفیت سے آگاہ تھا کہ مکہ کے ہتھیار بند دشمنوں کے ساتھ بے دست و پا حالت میں جہاد کرنے میں موت یقینی ہے لیکن عاشقانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتباع و حُبّ میں اپنے محبوب پر ہر شے قربان کر کے موت کو خرید لیا۔ یہ ایک ابتلا تھا یہ ایک آزمائش تھی جس پر عاشقانِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ثابت قدم نکلے۔ فَاَتَمَّهُنَّ انہوں نے وعدہ پورا کیا۔ یہ مقام انتہائی حُبّ کا تھا تو اللہ تعالےٰ اُن سے راضی ہوا۔ بیعتِ رضوان میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست میں طالبِ صادق کا دوسرا ہاتھ تھا۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ

---

[1] مقام حدیبیہ۔

تیرا ہاتھ جلوہ فگن تھا۔ دونوں ہاتھوں پر تیرا ہاتھ جلوہ فگن کا محبت و رضا کا بھرپور رحمت و انعام کا ہاتھ۔ دونوں ہاتھوں پر تیرا ہاتھ جلوہ فگن تھا۔ اور جو انعام و خوشنودی اللہ تعالےٰ کی طرف سے اُنہیں حاصل ہوئے۔ وہ اس قدر تھے کہ ہر شخص انعامِ الٰہی پر جذبۂ تشکر و رضا سے مسرور ہوا۔ یہی کیفیت یُحْبِبْكُمُ اللهُ۔ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حُبِّ رسول اللہ میں حاصل کی۔

یہ سب کچھ حضور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طفیل مومن کو حاصل ہوا ہے

ہر کہ آں در سایۂ احمد رسید
شُدْ یَدُ اللهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ پدید

یہ چیز بغیر اکمل رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حاصل نہیں ہو سکتی۔

## سیدُ الکونین خاتمِ انبیاء
## آں شہِ لولاک صاحبِ باصفا

کیوں نہ ہو! اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے خود بھی محبت کی اِنَّ اللهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ تحقیق اللہ خود عبادت کرنے سے منزہ ہے۔ وہ معبود ہے۔ لیکن اس نے اپنی مرضی سے حُبّ کو محمّد کی صورت میں پیدا کیا۔ اُس کی مرضی و ارادہ یہی تھا کہ میں احمد کو پیدا کروں۔ جو میری حمد انتہائی کرے سوا اپنی پسند سے ہی حُبّ کی۔ اسے محبوب بنا کر اس کی تعریف خود کی۔ یہی کام اپنے ذمہ رکھا۔ ملائکہ کو بھی اِسی لئے وقف کر دیا اور بنی آدم کو بھی اِس کی تعریف کے لئے بنایا۔ ورنہ وہ کچھ نہ بناتا۔ اگر اُس کا یہ مقصد نہ ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بناؤں، احمد کو بناؤں۔ اِسی لئے وُہ تمام کائناتِ خلقت کے محبوب اور سردار ہیں۔



## آں کریمُ الخلق بحرِ فیضِ حق
## آں شہِ اسرائے حاسبِ نو طبق

آہ! کیا پیارا نبی محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جس سے حُسن پیدا ہوا جس سے حُبّ پیدا ہوئی ہر نُور کو اُسی کے نور سے رونق حاصل ہے! ہر حُسن کو اُسی کے نُور سے لطافت و ملاحت حاصل ہے وہ اپنے عاشقوں پر کتنے شفیق و مہربان ہیں کہ حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِیْمٌ۔ اپنی ذات سے بلا معاوضہ عطا کرنے والے، اپنے در سے کبھی کوئی سائل خالی نہ گزرا۔ ہمیں تو بس اُن کی نظرِ التفات ہی بس ہے!

جس میں جنّت کی ہوس بھی باقی نہیں رہتی۔! ہاں! وہ اپنی طرف سے فیض عطا کرنے میں مثلِ سمندر ہیں۔ وہ تو شہنشاہِ کون و مکاں ہیں! اور یہ تمام مُلکِ ملکوت آسمان عرش اُس محبوب کی سیرگاہیں ہیں۔ اِسی لئے انہیں صاحبِ اسریٰ کہا گیا۔ صاحبِ معراج کہا گیا۔

## آں ستارۂ فیض ز انوارِ جلیل
## آں حبیب اللہ فخرِ ہر خلیل

وہ اللہ کے نُور کے درخشندہ ستارہ ہیں۔ مثل ماں کی گود میں اس کی جان سے عزیز لختِ جگر! اُن کو محمّد پیدا کیا گیا۔ اُن کو حُبّ پیدا کیا گیا۔ اُس حبیب نے جبکہ جبرئیل کا بھی وجود نہ ہوا تھا اپنے بنانے والے کی محبت میں ازل سے طواف کرنا شروع کیا اور محبوبیت کا مقام پایا۔ یہی صفتِ محبوبیت ہے۔ جس کا عکس ہر خلیل کی محبوبیت میں پایا گیا! ہر رسول کو نورِ محمدی کی ہی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر خلیل کو اسی نور اور

محبت پر فخر ہے۔

آں شہی حامِل لوائے حمد را
آں شہی شافع اُمم روزِ جزا

یاد رکھو! انسان دُنیا کی نعمتوں کو حاصل کرنے کے باوجود خسارے میں ہے۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہ تھاما۔ اِس جہاں کے بعد ایک شدید زمانہ آنے والا ہے۔ جہاں شاہ و گدا کی ایک ہی حیثیت ہوگی۔ جہاں پر جابر سے جابر انسان بھی چیونٹی کی حیثیت سے ہوگا اُس جہاں پر واحد القہار کی بادشاہت ہوگی! ہر شخص لرزاں ترساں پریشاں حال ہوگا! سوائے حضرتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی کے! کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے اَزل سے اِنعام مقرر کئے ہیں۔! روزِ محشر تک یہی صفتِ حبیبی رُوبہ کار آئے گی۔ تمام کائنات کے سردار کی شان کا یہی دن ہوگا۔ آج کے دن یہی ایک بندہ و بشر اپنی اُمت کی شفاعت کی جرأت کرے گا۔ پس! جس شخص نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی۔ اُن کی قدروں کو پہچانا۔ وہی اُن کے ساتھ لواء الحمد کے سایہ میں محفوظ و مامُون ہوگا!

آں محرکِ حلقۂ جنت را شہی
آں پئے روزِ حشر روشن مہی

اُنہیں کے فیض سے جنت کے دروازے کھولے جائیں گے۔! اُنہیں کے فیض سے لاتعداد انسان جنت میں داخل ہوں گے۔! تمام عالمِ حشر پر گناہ و سزا کی ظلمت طاری ہوگی۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مقدس اُس ظلمت میں چمکتے چاند کی طرح روشنی پھیلاتا ہوگا۔



آنکہ اکرم الاوّلین والآخرین
نیست فخرے باوجودِ ایں گزیں

قصہ مختصر کہ بعد از خدا بزرگ در تمامی کائنات۔ آپ اوّلین و آخرین میں تمام برگزیدہ مخلوق میں مکرم ہیں۔ اِس کے باوجود آپ کی صفتِ احمدی میں آپ کا وقت رات دن عبادت و گریہ میں گزرا۔ یہ ایک شہنشاہ سیدُ الکونین کی صفت کا نشان ہے۔ کہ آپ کو اِس حالت پر بھی فخر محسوس نہیں! ؎

سلام اُس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

## در مدحِ چہار یارانِ باصفا رضی اللہ تعالیٰ عنہم

از سرِ فیض زِ اسرارِ قدیم
بود چہار دریا از رحمتِ رحیم

اللہ تعالیٰ نے جہاں حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو تمام کائنات میں مخصوص و افضل بنایا۔ اُسی طرح آپ کے اصحاب میں چہار اصحاب کو بھی تمام اُمتوں میں مخصوص و ممتاز کیا۔ اُن کے وجودِ رُوحانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے مخصوص کئے گئے۔ یہ وہی چہار یارانِ باصفا ہیں۔ جنہوں نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کی تکمیل میں آپ کا ساتھ دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے اپنے جان و مال قربان کر دیئے۔ یہ طالبانِ صادق اور عاشقانِ صادق میں شمار ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس سے اُنہیں تمام اُمت سے زیادہ فیض حاصل ہوا۔ کہ اُنہیں اُن کی زندگی میں

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نجات اور جنّت کی بشارت دی گئی۔ اِنہیں خلفاءِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام (شریعت، طریقت) کا اجراء ہوا۔ یہ تعلق اصحابِ رسُول اللہ کا ازل سے مقرر ہُوا۔ کہ انوار و اسرارِ ربّانی کا یہ پوشیدہ اور قدیم خزانہ اس طرح ظاہر ہُوا! کہ اللہ تعالےٰ نے منبعِ نورِ محمدیؐ سے چار دریائے رحمت بنائے۔ جن کا ظہور چہار یار کی صُورت میں ہُوا۔ اور اُن کا فیضِ عام مثلِ دریا، جہان کو سیراب کر گیا۔

یعنی شاہ بُو بکرؓ صادق پیشوا
شاہِ صدق اُمت بود و راہنما

یہ حضرت صدیقِ اکبرؓ، یارِ غارِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عاشقِ رسُول اللہ صدیقِ اکبرؓ واحدانیت اور رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ جنہوں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ نبوت و رسالت کو مخلوق تک پہنچایا۔

مثلِ دریا نہر ہائے صدقِ او
سُوئے ہر مُسلم رَسیدہ جُو بجُو

اُن کے علم و عرفان کا فیض دریا کی مانند ہر انسان کو سیراب کر گیا۔ اُنکے صدق نے ہر مُسلم کو اللہ اور رسُولؐ کی عظمت تسلیم کرنے پر آمادہ کیا۔

شاہِ عمرؓ از کرم ہائے حق و عدل
سُوئے خلقاں فیضِ چشمہ بے بدل

حضرت عمر فارُوق رضی اللہ عنہ نے فیضِ محمدیؐ سے تمام عالم کی مخلوق کو سیراب کیا۔ یہ نہ سمجھیں! کہ حضرتِ عمر فارُوقؓ ایک حکمران کی حیثیت ہی رکھتے ہیں! نہیں۔!



بلکہ اُن کی حکمرانی بھی مُجسّم معرفت تھی۔ کہ اِدھر تختِ خلافت پر قُرآن و سُنّت کا وعظ کر رہے ہیں۔ نظامِ ملکی بھی سرانجام دے رہے ہیں۔ اُدھر باطناً لشکروں کا معائنہ بھی کر رہے ہیں۔! یہ باطن ہی ہے کہ ساریہ کو تختِ خلافت سے ایک دُور مقام پر جنگی تربیت بھی دے رہے ہیں۔ اِس کیفیت کے بارے میں صاحبِ علم و مشاہدہ سے پوچھئے۔ کہ جسمانی حالت میں کیسے ایک دُور مقام کا مشاہدہ ہو سکتا ہے؟ اور پھر جسمانی حالت میں کیسے ساریہ آواز سُن لیتا ہے؟ ایسے واقعات روحانی طور پر ہو سکتے ہیں! لیکن یہ کیفیت جسمانی اُسی طرح کی ہے۔ جس طرح حضرت عیسٰےؑ کے لئے کہا گیا۔ قَالُوْا کَیْفَ نُکَلِّمُ مَنْ کَانَ فِی الْمَھْدِ صَبِیًّا ۝ ہاں۔! رُوحانی حیثیت میں رُوح کا کلام و سمع تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ تختِ خلافت پر خطبہ دیتے۔ میدانِ کارزار کی کیفیت جسمانی آنکھوں سے دیکھ کر ساریہ کو آگاہ کریں؟ تو جواب ملا۔ یَا سَارِیَۃُ اِلَی الْجَبَلِ۔ ساریہ پہاڑ کی اوٹ میں آؤ۔! یہ رُوحانی کلام نہیں تھا۔ بلکہ حضرتِ عمر فارُوقؓ کی زبان سے نکلے ہُوئے مادّی الفاظ تھے۔ جو قانونِ فطرتِ ظاہری کے اعتبار سے چند قدموں سے آگے فضا میں گُم ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ الفاظ براہِ راست ساریہ کے کانوں تک پہنچتے ہیں۔ اِس کا ثبوت؟ یہ کہ ساریہ جسمانی کانوں سے شہنشاہِؓ اسلام کی آواز سُن کر اُس پر تعمیل کرتا ہے۔ ہاں۔! یہ تو حضرت عمر فارُوق خلیفۃ الارض ہیں۔ جنہیں حضُور محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غُلامی کا شرف حاصل تھا۔ جنہیں ملکۂ خلافت و نبوت حاصل تھا۔ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ۔ مگر محمد رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضِ نبوت کی شہادت مسجدِ نبویؐ کے اُن اصحابِ حاضرین سے پُوچھئے۔ جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہ بھی موجود تھے۔ جنہوں نے خود روایت کی

ہے۔ کرنا گاہ مسجد میں رونے کی آواز سنائی دی۔ دیکھنے پر معلوم ہوا۔ کہ سوکھا درخت کا تنا فراقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں گریہ کناں ہے۔! ہاں۔! یہ رسولؐ اللہ کی ذاتِ مقدس کا ادنیٰ نشان ہے کہ سوکھا تنا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی خاصیت میں آ کر انسانی خواص پا جاتا ہے! یہ صرف نورِ محمدیؐ کی خصوصیت ہے۔ تو پھر شہنشاہِ اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت۔! سبحان اللہ۔! اُن کی حکمرانی دُنیا پر ہی نہیں بلکہ آسمانوں پر بھی ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ خلیفہ کی حیثیت میں ملائکہ نے اُن کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔ اور وہ خلیفہ سے کمتر سمجھے گئے کور چشم شقی القلب جن کے قلب نورِ ایمان و معرفت سے خالی ہیں۔ اِسے مبالغہ سمجھیں گے۔ مگر پوچھے نیل سے پوچھے ساریہ سے۔ پوچھے ہرقلِ روم سے۔ کیا تم عمر رضی اللہ عنہ کی خصوصیت کی تائید نہیں کرتے۔ اور تو اور غیر ذی رُوح بھی آپؓ کی عظمت کی تصدیق کریں گے۔

شاہِ عثمانؓ مخزنِ بدر از علم
کرد تدریسِ جہاں با ایں علم

شاہِ عثمانؓ۔ ذوالنورین ہیں۔ یہ نسبت آپکے حضورؐ سے قرب و عظمت کی دلیل ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض (قرآن) کو تمام جہان کیلئے فراہم کیا۔ آپکے علم و حیا کے سامنے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔ علیم، کمال علم اپنے اندر ضرور کچھ خصوصیت رکھتا ہے۔

شاہ علیؓ از شیرِ حقی بُود پُر
در بسیطِ اَرض مِثلِ یک گہر

حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ شہنشاہِ ولایت و نبوت۔ اَسَدُاللہ۔ مظہرِ نورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَحْمُكَ لَحْمِیْ دَمُكَ دَمِیْ (تیرا گوشت میرا گوشت۔ تیرا خون میرا خون) تمامی فیض رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے جن کو وراثت میں ملا۔



اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ میری اُمت کے عالم مانند انبیائے بنی اسرائیل کے ہیں۔ انبیاء کی وراثت علم نبوت و رسالت ہے۔ جو عالم کے ورثہ میں آتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اکبر اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا ہم پوشیدہ اَسرار کے گھر ہیں۔ اور اُس گھر کا دروازہ علی رضی اللہ عنہ ہیں جن سے یہ حکمت مخلوق تک پہنچتی ہے وہ اَسرار و معرفت کے شہسوار تمام طریقوں کے امام جن سے لوگوں کو فیضِ روحانی حاصل ہُوا۔

ہر یکے از گوہرے اَزلی نشان
بود در عالم منوّر بے بیاں

چہار یاران باصفاؓ میں ہر فرد ایک گوہرِ بے بہا کی مثال ہیں جنہیں ازل سے نورِ معرفت کی روشنی ملی۔ اُنہیں کے ذریعہ عالم کو فیض حاصل ہُوا۔

---

## در مدحِ غوثِ اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

شاہ جیلاں پیرِ ما شیخ عظیم
کاشفِ اسرارِ حق بحرِ عظیم

جیلان کے شہنشاہ ہمارے پیرِ اولیائے کاملین میں شیخ اعظم ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے پوشیدہ اَسرار کو انسان پر ظاہر کر دیا۔ یہ علم و معرفت کے سمندر ہیں۔ جن سے طالبِ حقیقت اپنی پیاس بجھاتے ہیں فرماتے ہیں۔

مَقَامُکُمْ العُلٰی جَمْعاً وَلٰکِنْ    مَقَامِیْ فَوْقَکُمْ مَا زَالَ عَالِی

ترجمہ: تم سب کے مقام ذاتی طور اونچے ہیں۔ لیکن میرا مقام تم سے عالی وارفع ہے۔ جہاں تم نہیں پہنچ سکتے۔

## یعنی غوث الغوث قطب الاقطاب حق
## ہر ولی از ہمت او بردہ سبق

یعنی وہ غوث الاغیاث ہیں۔ جنہوں نے ایک نازک زمانہ میں دینِ اسلام کی روشنی کو عالم پر طاری کر دیا۔ انہیں محی الدین کا خطاب ملا۔ یعنی دین کو زندہ کرنے والا۔ غوث الاعظم اسلام کی وہ صاحبِ علم ہستی ہیں۔ جنہوں نے ظاہری و باطنی علم کو انتہا تک پہنچایا اور وہ مقام حاصل کیا جہاں بقا باللہ میں آپ کو دائمی زندگی حاصل ہوئی۔ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اُس زندگی کے آثار کو مشاہدے میں نہیں لا سکتے) آپ کے علم اور فیض کو کبھی موت نہ ہوگی۔ بلکہ ہر ولی ہر زمانہ میں جبکہ اُن کا جسم نہ پایا جائے گا فیضِ روحانی آپ سے حاصل کرتے رہیں گے۔

اَفَلَتْ شُمُوْسُ الْاَوَّلِیْنَ وَشَمْسُنَا    اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

تمام ولیوں کے علم کے سورج (اُن کی ظاہری موت کے ساتھ) غروب ہوں گے۔ اور ہماری معرفت وفیض کا سورج (ہمارے بعد بھی) اُفقِ اعلیٰ پر ابد الآباد طلوع رہے گا۔ یعنی ہر ولی کی ولایت کا دفتر دُنیوی زندگی کے بعد بند ہوگا۔ اُس کا فیض بند ہوگا۔ اُس کا عمل بند ہوگا۔ ایک ولی کے بعد اُس کے قائم مقام خلیفہ کا فیض جاری ہو جائے گا۔ مگر ہماری فیض رسانی جو ہماری زندگی میں جاری ہے بعد موت بھی اسی حال



جاری رہے گی۔ یہی کیفیت غوث الاغیاث کی ہے۔ کہ وہ قطب الارشاد ہوتا ہے۔ صاحبِ ولایت۔ صاحبِ ارشاد ہوتا ہے۔ اور جب یہی ولی قرآن وحدیث کا انتہائی عالم ہو۔ اور شریعت کے اجراء میں تبلیغ انذار کا کام کرے غوث کہلاتا ہے۔

حضرت غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کی غوثیت کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ آپ نے ایک نازک زمانہ میں شریعت کی اشاعت کی۔ اور مذہب کے غلط عقائد کو مٹا ڈالا۔ اور بے شمار بندگانِ خدا کو دینِ اسلام میں داخل کر کے معرفت وخلافت عطا کی۔ اور شریعت کی بنیادوں کو اس قدر مستحکم کر دیا کہ ایک طویل زمانہ تک اسلام کی اسی روشنی سے خلقِ خدا راہِ حقیقی پاتی رہی۔ اسی کمالِ علم کے ساتھ آپ نے اپنے ذاتی مجاہدہ و تزکیہ سے مقامِ فنا وبقا حاصل کیا۔ اور مرتبۂ قطب الاقطاب پایا۔ قطب الاقطاب تمام اولیاء کا سردار ہوتا ہے۔ اس کا مقام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجلاس میں (جہاں آپ تخت پر تشریف رکھتے ہیں) آپ کی بائیں ہوتا ہے۔ اور جو فیض اور احکام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اولیاء کو عطا ہوتے ہیں۔ وہ اسی قطب الاقطاب کے ذریعہ جاری ہوتے ہیں۔ چونکہ ہر ولی قائم مقام خلیفہ یا نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اس لئے زمانہ کے ہر ولی اسی قطب الاقطاب کے ماتحت رہتے ہیں۔ ہر ولی اسی ہستی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ یہ مقامِ قطبیت حضرت غوث الاعظم

---

[1] تیسرے درجہ کا قطب ہر زمانہ میں سات یا نو قطب ہوتے ہیں۔ اکثر اولیاء نے اپنے مکتوبات میں سات قطب بتائے ہیں حضرت محی الدین ابن عربی نے بارہ قطب بتلائے ہیں سات اقطاب یہ ہیں (۱) قطب الابدال (۲) قطب الاوتاد (۳) قطب شاہ (یا قطب سلاطین) (۴) قطب المدار۔

رضی اللہ عنہ کو درجہ اولیٰ حاصل تھا۔ اور آپ کے کمالِ مجاہدہ وحُبّ کے باعث آپؒ کو محبوبیت کا درجہ حاصل تھا۔ اِس لئے اپنے مراتب کے اعتبار سے آپؒ کے ہر سوال کو قبولیت کا درجہ حاصل تھا۔ فرماتے ہیں۔

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ　　　وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

مجھے اپنے قدیم اور ازلی اسرار سے آگاہ کیا۔ اور لوگ میری تقلید کرنے لگے۔ میری محبوبیت کے باعث مجھے سوال عطا کئے گئے کہ جو مانگوں قبول کیا جائیگا۔

یعنی ہر فیض از طرقہائے حق
از وجودِ اُو رسید سوئے خلق

جو فیض حضور محمد رسول اللہ علیہ وسلم سے اولیاء کو ملتا ہے۔ وہ ہر صاحبِ طریق کو حضرت غوث الاعظمؒ قطب الاقطاب کے توسّل سے ہی ملتا ہے۔ کیونکہ آپکا علم آپؒ کے بعد بھی اسی حال میں باقی ہے۔ جس حال میں آپؒ کی زندگی میں تھا۔ اوّل یہ کہ آپؒ کی ولایت کی روشنی اور فیض عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ۔ ہمیشہ ہر زمانہ میں قائم رہے گا۔ دوسرے ایک مجدد کی حیثیت سے آپؒ نے دین کو جو نئی قوت

---

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:۔ (۵) قُطبُ الارشاد (۶) قُطبُ العالَم (۷) قُطبُ الاَقطاب۔ اِس طرح اوّل قطب الاقطاب دوسرے درجے کا قُطبُ العالم اور تیسرے درجہ کا قُطبُ الارشاد ہوتا ہے۔ محی الدین ابن عربیؒ کے قول میں جو اضافہ ہے وہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ انہوں نے ابدال اور اوتاد کو بھی ان مدارج میں شامل کر دیا ہے۔ اسکے علاوہ قطب الاوتاد چار بھی ہوتے ہیں اور بعض مکتوبات میں ایک اور قطب کا ذکر آیا ہے کہ قُطبُ القلندر سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ پس اضافے ابدال اوتاد تین قطب الاوتاد کے مجموعے سے بارہ قطب بنتے ہیں۔



بخشی اسی ظاہری فیضِ شریعت سے ہر شخص حقیقی راہ پاتا رہے گا۔ اس لئے ہر زمانہ میں آپؒ کی محبوبیت کے باعث ہر ولی کو آپؒ کے ذریعہ فیض مل سکے گا۔

دَر طریقہ ہائے داں تو بالیقیں
فیضِ چشمہ اوست از دینِ متین

اس میں شک نہیں کہ اُنکے تمام طریقوں میں اُنہیں کا علم اور طریقِ حصولِ عرفان جاری ہے

---

## در صفت پیر اکمل حضرت مولانا سید محمد نور الزمان شاہ صاحب قطب الاقطاب اویسی

مُرشدِ ما شیخ شاہ نورالزمان
راہ نمائے آفتابِ حق عیاں

ہمارے مُرشد سید نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ وُہ راہنمائے شریعت وطریقت مثلِ آفتاب ہیں۔ کہ ہر شخص انکے فیض ظاہری و باطنی سے فیضیاب ہے

نقشبندی قادری سہروردیئے
زیرِ سایہ فیضِ او ہر سروَرے

نقشبندی۔ قادری۔ سہروردی سلسلوں کا ہر ولی اُنہیں کے زیر سایہ فیض حاصل کر رہا ہے۔

شاہ اویسیؒ قطبِ اقطابِ جہاں
ہادیئے ہر شیخ و عالم بے بیاں

حضرت شاہ سید نورالزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ وقت کے خضر۔

طریقِ اویسیہ سے نسبت رکھنے والے قطب الاقطاب ہیں۔ تمام جہان کے اولیاؒ۔ مرتبۂ صدیقی کے اعتبار سے آپؒ سے ہی فیض حاصل کرتے ہیں۔

## حضوریئے اجلاس ختم المرسلین
## راہنمائے ہادیئے روشن جبین

آپؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی اجلاس (مدینہ منورہ) کی حضوری میں ہر لمحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تخت کے دائیں جانب مرتبۂ صدیقی پر قائم ہیں۔ آپؒ ہی کے ذریعہ وقت کے تمام اولیاء کو فیضِ محمدی حاصل ہوتا ہے اور ہر ولی آپؒ ہی کی طرف باطن میں رجوع کرتا ہے۔ کیونکہ آپؒ وقت کے اولیاء کے سردار اور راہنما ہیں۔

## سیّدالسادات فیاضِ جہاں
## عالمِ علمِ لدنیؒ قطبِ زماں

آپؒ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند معنوی بھی ہیں اور فرزندِ صوری بھی خالص سیدِ آلِ رسولؐ سے ہیں۔ اپنے فیض کو عطا کرنے میں وہ حد درجہ فیاض ہیں۔ بلا معاوضہ۔ کم محنت پر بھی ایک طالبِ علم کو مطلوبِ حقیقی تک پہنچاتے ہیں۔ آپؒ کو ظاہری و باطنی علم براہِ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عطا ہوا۔ کیونکہ آپؒ اویسی سلسلہ سے نسبت رکھتے ہیں۔ اور زمانہ کے قطب الاقطاب ہیں۔



## چشمۂ فیضِ علومِ ظاہری
## منبع و مخزنِ علومِ باطنی

علمِ شریعت میں آپؒ کو قرآن و حدیث۔ فقہ اور تمامی دیگر علوم پر انتہائی عبور حاصل ہے۔ اور شریعت کا اجراء کرنے والے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی علمِ طریقت میں آپؒ کو انتہائی عرفان و بقا حاصل ہے۔ کہ انسان کو اس کے انتہائی مقصود تک پہنچاتے ہیں۔

## اولیاں را بہر فیضِ نورِ حق
## قادریاں را راہنمائے نو طبق

آپ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بسلسلہ حضرت شاہ عبدالکریمؒ بلڑی[1] شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ۔ حضرت شاہ لونگؒ سندھی (لونگ فقیر) شاہ محمد عارف صاحب اروڑوی نسبت رکھتے ہیں۔ اس لیے سلسلہ اویسیہ کے سالکوں کو آپؒ ہی سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ اور قادری سلسلہ کی نسبت شاہ عبدالکریمؒ شاہ

---

[1] شاہ عبدالکریم بلڑویؒ وقت کے قطب سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ آپؒ کے فرزند شاہ حبیب اللہ اور آپکے فرزند شاہ عبداللطیفؒ بھٹائی ہیں۔ شاہ بھٹائی صاحبؒ کو اپنے والد شاہ حبیب اللہ صاحبؒ سے علوم ظاہری و باطنی کی تربیت حاصل ہے۔ اور اپنے دادا سے قادری سلسلہ کی نسبت حاصل ہے۔ اور حضرت خواجہ اویسؓ قرنی سے باطنی طور پر سلسلہ اویسیہ کی بیعت و ارشاد حاصل ہوئی۔ اس لیے آپ قادری اویسی ہیں۔ حضرت سید نورالزمان شاہ صاحب کو اسی سلسلہ اویسیہ کی نسبت اویسی حاصل ہے۔ نیز آپؒ کو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل ہوا۔

عبد اللطیفؒ صاحب حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے ملتی ہے۔
آپؒ ہر دو سلسلوں کے پیشوا ہیں۔ اور قادری سلسلہ کے طالبوں کو بھی سیر الی اللہ میں سیر کراتے ہیں۔

نقشبندیاں یافتہ اَز وے حیات
چشتیاں را زو رسیدہ آبِ حیات

آپ کو حضرت شاہ مظفر صاحبؒ مجذوب ولی نقشبندی سے بھی خلافت حاصل ہے۔ اس لیے سلسلہ نقشبندی کے ولی بھی آپؒ سے اِکتسابِ فیض کرتے ہیں۔ چشتی سلسلہ قادری سلسلے سے نسبت رکھتا ہے، بحیثیت قطب الاقطاب اور قادری ہونے کے چشتیہ ولی بھی آپؒ سے ہی فیض پاتے ہیں۔

---

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ۔ کہ بغیر کسی راہنمائی کے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؒ کو حضرت شاہ مظفر صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ ماڑی انڈس شیشن کے قریب کالاباغ کے ایک گاؤں میں رہتے تھے۔ آپؒ سلسلہ نقشبندیہ کے باکمال ولی تھے۔ اور شاہ مظفر صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو شاہ محمد عارف صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ جہاں سے آپؒ نے سلسلہ اویسیہ کی بیعت حاصل کی۔

۲ شاہ محمد عارف صاحبؒ اروڑوی۔ باکمال صاحب شریعت و طریقت تھے۔ آپؒ حضرت شاہ لونگ شسندھی (رحیم پور سندھ) کے خلیفہ اکبر قطب الاقطاب ہوتے ہیں۔ اروڑ۔ روڑھی سے جنوب مشرق کی طرف آٹھ میل۔ شاہ شکر گنج سے دو میل دُور پہاڑی علاقہ میں واقع ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے یہاں پر شاہ محمد عارف صاحبؒ سے فیض حاصل کر کے خلافت اویسیہ حاصل کی۔ اس طرح آپؒ اویسی۔ قادری۔ نقشبندی ہیں۔



ہر کہ آں در سایۂ آں شاہ رسید
گرچہ بود اُو خشک از وے نو نوید

جو کوئی بھی آپؒ کی مریدی میں آیا۔ اگر اس کا باطن خشک و بنجر ہوگیا۔ آپؒ کی توجہ سے اس کے قلب میں معرفت کے برگ و بار سرِ نو شاداب ہوگئے۔

ہر کہ تشنہ سُوئے چشمہ او بتافت
بس زَ نورِ فیض او یک بحر یافت

جو کوئی دیدارِ الٰہی کا پیاسا اپنی تشنگی لے کر آپؒ کے پاس آیا۔ آپؒ کے فیض سے اُسے معرفت کا سمندر پینے کو ملا۔

اَلْاَنالِؒ از فخرِ اُو فخرِ الزماں
شاہ فخاران فخرِ اولیاء

اِس وقت اُن کے فخر کرنے والوں میں، صاحبِ فخر ہستی جناب سیّد فخر الزمان شاہ صاحبؒ آپؒ کے قائم مقام خلیفہ ہیں۔ آپؒ اپنے پیرِ اکمل کی ولایت کی مجسّم دلیل

---

۱ یہ رسالہ حضرت سیّد فخر الزمان شاہ صاحبؒ کی حیات میں تالیف ہوا ہے۔ آپؒ نے ۱۹۵۲ء ۲۰۔ جولائی ۱۹۵۲ء بمطابق ۲۸ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ بعمر اڑتالیس سال چھ ماہ بیس یوم وفات پائی۔ اس وقت آپؒ کے دو فرزند جلیل آپؒ کے قائم مقام طریقت کا اجراء کر رہے ہیں یہاں درس و تدریس اور طریقت کا سلسلہ علی حالہٖ جاری ہے۔ آپؒ کے دو فرزندوں حضرت مولانا شمس الزمان شاہ صاحب اور حضرت مولانا بدر الزمان شاہ صاحب موضع کوٹ چاندنہ۔ کالاباغ ضلع میانوالی کے ساکن ہیں۔ جہاں ابھی تک حضرت مولانا سیّد نور الزمان شاہ صاحبؒ کا طریق زندہ و جاری ہے۔ دامت اللہ برکاتہم۔

ہیں کہ ایک ولی کے دعوے کی بھی دلیل ہوتی ہے۔ کہ پیرِ اکمل ایک طالبِ صادق کو اپنی طرح کا ولی صاحبِ عرفان بنا کر اس کی تمام منازل تا ذاتِ الٰہی طے کرائے۔ یہی آپ کی دلیل ہے کہ حضرت سید فخر الزمان شاہ صاحبؒ ۔ صاحبِ فنا و بقا ولی ہیں اور آپؒ کے دَر سے ہزاروں طالبانِ صادق فیضیاب ہو کر اپنے مقصودِ عرفان کی تکمیل کرتے ہیں۔ ہزاروں طالبانِ حق کو لمحوں میں زیارتِ رسول اللہؐ سے مُشرّف کرتے ہیں۔ آپؒ مرتبۂ ولایت میں اپنے والدِ مکرّم کے قائم مقام اولیاء کے پیشوا ہیں۔ آپؒ اسم باسمٰی شاہِ فخارانِ فخرِ اولیاء ہیں۔ آپؒ کا اسمِ مبارک بھی آپؒ کی صفت کے لحاظ سے فخرُ الزّماں ہے۔

حضرتِ فخرُ الزّماں پیرِ منیر
قُطبِ عالم فاضلِ روشن ضمیر

حضرتِ فخرُ الزّماںؒ ولی اکمل کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپؒ خلقِ خدا کو اپنے مقصودؔ تک پہنچاتے ہیں۔ آپؒ کے مریدوں میں اکثر کو مُشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہے۔ آپؒ اپنے والد کے مرتبۂ قطب الاقطاب کے بعد مرتبۂ قطب العالم پر فائز ہیں۔

مثلِ اُو ہر سالک از وے نُور یافت
گر کسے دَر سایۂ آں شاہ بتافت

جس طرح آپؒ کو اپنے پیرِ اکمل سے فیض حاصل ہُوا۔ اُسی طرح معرفت کے ہر طالب کو آپؒ سے فیض حاصل ہوتا ہے۔ آپؒ بھی ایک طالب کو اپنے اِنتہائی مقصود تک پہنچاتے ہیں۔



# در کیفیّت فقیرؔ[1]

چوں تجلّی در قلب سر برزند
مثلِ شمسِ عارضی پردہ درد

جب تجلّیٔ انوارِ الٰہی کی موج قلب سے اُٹھتی ہے تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں سُورج اپنی تابانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہُوا۔

صد ہزاراں جانِ عاشقہائے را
میکند از جسم عاشقہا جُدا

اس تجلّی پر عاشقانِ حقیقت ہزار جان قربان ہو جاتے ہیں۔ اس تجلّی کے دیدار سے عاشقانِ الٰہی کی جانیں تن سے نکل کر یکسر مشاہدۂ حقیقی میں محو ہو جاتی ہیں۔

میکُند آلُود دَر عینُ الوُجود
پس ماند دائماً اندر شہُود

اس محویت میں طالبِ حقیقت یکسر مُشتاق ہو کر حقیقت کے عینی مشاہدہ کے ساتھ انوارِ حقیقی میں فنا ہو جاتا ہے۔ پس یہ وہ مقام ہے جہاں عاشقِ حقیقی کو دائمی شہود و فنا کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

---

[1] فقیر اویسی۔ قادری۔ نقشبندی۔ حضرت مولانا الحاج مولوی محمد امین صاحب کاشمیری خلیفہ اکبر حضرت نورُالزمان شاہ صاحبؒ قطب الاقطاب۔

شمس پرستی وہم آرد سُوئے یار
اِیں گناہی میشود بس بے شمار

اِس استغراق و مشاہدہ کا تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان ایسے شمس رو محبُوب کا دل و جان سے پرستار بن جاتا ہے۔ اور ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ہم اپنی شمس پرستی میں۔ یار کے دیدار میں۔ شمس پرست ہو گئے۔ حالانکہ یہ گناہ تصوّر کیا جاتا ہے۔

روئے یارے من چو شمس العین ہست
از چنیں تمثیل او بالا تر است

میرے محبُوب کا چہرہ سُورج کی طرح چمکتا ہے۔! بلکہ جب میں اپنے محبوب کے ظاہری چہرے کی طرف نظر اٹھاتا ہوں تو مجھے یہ چہرہ سُورج کی مانند تاباں اور خوبصورت نظر آتا ہے۔! اور مَیں ہزار جان اِس پر قربان ہو جاتا ہوں۔ اِس چہرے کے نظارے میں مجھے ہر شے بھول جاتی ہے۔! مَیں کھو جاتا ہوں۔! زمانہ گذر جاتا ہے۔ ایک طویل زمانہ۔! نہ معلوم کتنے قرن۔!! اور محویت مجھ سے ہٹتی نہیں مجھے معلوم نہیں صُبح کب ہُوئی۔ شام کب ہوئی۔ اور زمانہ کتنا گزرا! اور جب میرے محبوب کا باطنی شمس رو چہرہ مجھ پر تجلیاں گراتا ہے۔ تو مَیں یکسر بے خود ہو کر سجدہ میں گر جاتا ہوں۔! کیونکہ

اُو چو زِ اقلیم مُقدّس سر زند
صد ہزاراں شمس پیشِ اُو بُود

وہ جب میرے دل کی مُقدّس اقلیم میں جلوہ فگن ہوتا ہے۔! تو اُس کے جلوں میں صد ہزاراں شمس آگے پیچھے روشن ہوتے ہیں۔



یارِ من بے مثل بے تشبیہ داں
کہ نہاں است ذات او در جسم و جاں

میرے محبُوب کی کوئی مثال نہیں۔ نہ مَیں کسی سے اس کی تشبیہ دے سکتا ہوں کہ وہ میرے رُوح و جسم میں جذب ہو چکا ہے جب مَیں ہر شے کو اُسی کے رُوپ میں دیکھتا ہوں تو پھر کون سی چیز ہے۔ جو اُس سے خالی ہو! جس کی مثال دے سکوں؟

صد ہزاراں شمس دارد در وجود
ظاہر آیند لکاں اندر شہود

اے دوست! تو جانتا ہے۔ کہ مَیں کس کی تعریف میں یہ گیت گا رہا ہوں؟ یہ ایک محبوب ہے جس نے میرے قلب میں۔ میرے تصوّرات میں۔ بجلیاں چمکا دی ہیں۔! مَیں ان تجلّیوں کی اُوٹ میں کس کو دیکھ رہا ہوں۔؟ ہاں یہ تجلیاں ہیں۔! خالص تجلیاں۔! جن میں مادّے کا دخل نہیں۔! میرے محبوب کو ایک گوشت پوست کا لوتھڑا نہ سمجھ۔! تو اگر سالک کی نظر سے مُشاہدہ کرے۔ تو تجھے اس وجود میں ہزاروں سُورج چمکتے نظر آئیں گے۔ جن کی وسعت کی انتہا نظر نہیں آتی۔!

گر زندیک شمس روئے در جہاں
میکُند ہستیِ عالم را نہاں

اگر ان میں سے ایک سُورج کی تجلی اِس مادّی کائنات پر ظاہر ہو جائے تو کائنات کے تمام نُور کو جذب کر کے چھپا لے۔!

ہست ورا تقدیس در ذات و صفات
ہم چُنیں تقدیس در فعل و حیات

اے صاحبِ عقل سمجھ اس رمز کو۔! یہ تقدیس، یہ بزرگی میرے محبوب کی کس نوعیت کی ہے؟ میرا محبوب میرا پیرِ اکمل ہے۔! میرا محبوب اپنے انتہائی مقامِ فنا و بقا کو پاچکا ہے۔ اب اُس کی ظاہری و باطنی لطافت اِسی نورِ حقیقی سے ہے۔ جب مَیں اُس کو مقامِ بقا میں دیکھتا ہوں۔ تو مجھے ذات وصفات میں وہی کیفیت ملتی ہے۔ جو کیفیتِ حقیقی ذاتِ الٰہی کی ہے۔! استادِ رومیؒ نے اِسی کیفیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

گفتۂ اُو گفتۂ اللہ بُوَد　　گرچہ از حلقومِ عبداللہ بُوَد

ایک عارف ولی اکمل کا ہر فعل، ہر گفت اُس کا فعل اُس کا گفت تصور نہیں ہوتا بلکہ گفتۂ اللہ ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی رُوح بقا و فنائے الٰہی حاصل کئے ہوتی ہے! اُس کے جسم پر رُوح کی حکمرانی ہوتی ہے۔ جب ولی اپنے مشاہدے میں محویت کے عالم میں کوئی بات کہہ جاتا ہے۔ تو وہ اس کے جسم و عقل سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ یہ اُس کی رُوح کا تاثر ہوتا ہے۔ جو صرف زُبان سے ادا ہوتا ہے۔ درحقیقت اجسم بظاہر جسم ہوتا ہے اور بشر محسوس ہوتا ہے۔ لیکن اُس کے خمیر کا خصوصی مرکب (روح) ذاتِ الٰہی میں فنا ہوچکا ہوتا ہے۔ جب ولی اکمل کو اِس مقام میں حُبّ کے تابع دیکھا جاتا ہے۔ تو پھر ذاتِ الٰہی کے سوائے اور کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ یہاں جسمانی رشتہ ختم ہوکر نورانیت رہ جاتی ہے۔ تم مشاہدۂ نورِ الٰہی کہو۔ یا فنائے شیخ میں عشق کی تاثیر کہو۔ دونوں کیفیتوں کی نوعیت ایک ہی ہوگی۔ ایسے مقام پر ہر طالب کے لیئے اپنے کعبہ کی طرف رُخ کرکے اللہ کو سجدہ کرنا لازم آتا ہے۔ پیرِ اکمل کی طرف رجوع۔ رجوع الی اللہ ہے۔ شریعت بتاتی ہے۔ کہ کعبہ کی طرف مُنہ کرکے سجدہ



کرو۔! ہاں کعبہ میں اللہ کا تصوُّر کرو۔ یہی حقیقی نماز ہے۔ اے مبالغہ سمجھنے والے غافل تیری نظر نہیں۔ تو مجھے شمس پرستی کرتے دیکھتا ہے۔ اور مجھ پر کُفر کا فتویٰ تھوپ دیتا ہے۔ لیکن تو اُس کے باطن سے بے خبر ہے۔ کہ میری نظریں کس کو دیکھ رہی ہیں۔ کیا دیکھ رہی ہیں۔! ہاں تو میری طرح سجدہ کرے تو کافر۔! اور مَیں تیری طرح سجدے سے انکار کروں تو کافر ہو جاؤں گا۔

نے چنیں تقدیس کہ فہمت رسد
بل چنیں تقدیس کہ وہمت ورد

یہ ایسی تقدیس نہیں کہ تُو حواس وعقل سے اِس کا احاطہ کرسکے۔ یہ تو تیرے وہم میں بھی نہیں آسکتی۔ جب تک کہ تُو ایک سالک کے قلب وشعور سے اِس کیفیت کو حاصل نہ کرے۔ ہاں۔! تو جب تک اس کیفیت پر عبور حاصل نہیں کرسکتا۔ تیرا انکار بھی حقیقت سے انکار تصور ہوگا۔!

فہم و وہم ہر دو است حد مقر
بے حدے خوں شاں نمی یابند اثر
فہم و وہم ہر دو را مخلوق داں
خلق پیشِ خالقت نا یدعیاں

فہم و وہم: عقل اور واہمہ۔ دونوں حواس کے تابع اور محتاج ہیں۔ جب تک حواس کسی کیفیت کو واہمہ اور عقل تک نہ پہنچائیں۔ یہ ظاہری اشیاء کا احاطہ نہیں کرسکتے۔ اگر آنکھ نہ دیکھے۔ تو نہ واہمہ کسی چیز کی ماہیت کو پاسکتا ہے۔ نہ عقل ہی کسی کیفیت کا علم پاسکتی ہے۔ عقل عاجز ہے۔ کہ میرے سامنے کیا چیز رکھی ہے یہ حواس۔

وہم و عقل سب مخلوق ہیں اور محدود دائرے میں مقیّد ہیں۔ تو پھر وہ کیفیت جو بے کیف و
بے حد ہو اُن کے اثر و احاطہ میں کیسے آسکے گی؟ اِس کے متعلق تو فیصلہ کر ہی نہیں سکتا کہ
سجدہ کس کو کیا جاتا ہے؟ ہاں جو خود کور چشم۔ بے خبر۔ اپنی حالت سے بے خبر۔
علم و عقل سے دور۔ محبت سے دُور۔ خدا کو سجدہ کرتا ہے۔ پر نہ معلوم کسے سجدہ کر رہا
ہے۔ ایسا شخص اگر سجدہ کرے تو بُت کو سجدہ ہوگا۔ جب کہ اُسے معلوم نہیں کہ مَیں سجدہ
کسے کر رہا ہوں۔ اور ایک سالک جب اپنے مُشاہدۂ حقیقی میں کسی کعبہ میں خدا کو
پاتا ہے۔ تو سجدہ نہ کرے کافر ہو جائے گا۔ ایسے مومن کو ہی کفر کا فتویٰ دیا جاتا
ہے۔ جو دیکھ کر خدا کو سجدہ کرتا ہے۔

اے امینؔ تو شکر کن پروردگار
در وجودِ تو عیاں شد ایں بہار

اے۔ امین! تو شکر کر اُس پروردگارِ عالم کا۔ کہ تیرے وجود میں یہ سب
آثار ظاہر ہو چکے ہیں۔ اور تجھے فنائے شیخ سے یہ تمام مراتبِ عرفاں نصیب ہوئے ہیں۔

ہر زماں از پیرِ کامل عقلِ کُل
در تو افزاید بہار و سبزہ گُل

پیرِ اکمل کی عنایت سے تیرے قلب کے گلستان میں معرفت کے پھول کھلے ہیں
تیرا پیرِ اکمل عقلِ کُل ہے۔ کہ پیرِ اکمل کی صفت ہی یہ ہے۔ کہ جب چاہے طالبِ حقیقت
کو مراتب عطا کرے۔ طالبِ حق اپنی ذات کے بیع (بیعت) سے پیرِ اکمل کی مِلک ہو

لہ ؎ الحاج مولوی محمد امین قادریؒ۔ اویسی (کاشمیری)



جاتا ہے۔ مِلک ہونے کے بعد اُس کا اپنی ذات پر کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ اُس کا
ارادہ ساقط ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اپنے لیئے کچھ پسند کر سکتا ہے۔ نہ طلب کر
سکتا ہے۔ بلکہ ہر لحہ پیرِ اکمل کے اِرادہ و مرضی پر چلتا ہے۔ اِس حالت میں طالب سوائے
اِتباع کے اور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہی اِتباع حُبّ کی صُورت اختیار کر جاتی ہے۔ حُبّ
کی اِنتہا یہ ہے۔ کہ پیرِ اکمل ہی محبُوب بن جاتا ہے۔ تو پھر جذبۂ حُبّ میں سوائے تصورِ
شیخ کے کوئی شئے قلب و ذہن میں داخل نہیں ہوتی۔ جس سے ماسویٰ کی محبت ختم
ہو جاتی ہے۔ ماسویٰ سے تعلق ختم کرنا ہی طریقِ مَعرفت ہے۔ اور یہ چیز تصورِ شیخ،
حُبِّ شیخ سے حاصل ہوتی ہے جس کا انجام معرفتِ الٰہی ہوتا ہے۔ کیونکہ پیرِ اکمل کی
صُحبت کا مقصُود بھی معرفتِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔ یہ چیز پیرِ اکمل کے ذِمّہ ہو جاتی ہے۔
کہ وہ طالبِ حقیقت کو اپنے مقصُود تک پہنچائے۔ بیع ہونے کے بعد پیرِ اکمل طالب
کے ہر نفع و نقصان کا ذِمّہ دار ہو جاتا ہے۔ کہ طالب کو عرفانِ الٰہی کی تکمیل کرا دے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ
يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ أَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ

تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے اُن کی جانیں۔ اُن کے مال۔ بدلے جنت کے۔
جہاد کریں گے۔ اللہ کی راہ میں۔ پس ماریں گے۔ اور مارے جائیں گے۔ یہ وعدہ
ہے اللہ کا سچا۔ تورات میں، انجیل میں۔ قرآن میں۔ اور جس نے اپنے وعدے
(پیمان) کو پورا کر دکھایا۔ پس خوشخبری ہے اُس سودے کی جو سودا اُس

نے اللہ سے کیا۔ یہ سودا عظیم نفع کا سودا ہے۔

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جان و مال کے سودے میں جنّت اُن کے لیے مقرر کی۔ مومنوں نے اللہ پر اپنی جانیں حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر بیع کریں۔ جن کے عوض آپؐ نے اُنہیں مقصودِ حقیقی پر (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) (إِلَّا لِيَعْرِفُونَ۔ سیوطی) پہنچانے کی سندی۔ یہی کیفیت خلفائے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پائی جاتی ہے کہ وہ طالبِ صادق سے اُن کی جان و مال کے ساتھ مقصود تک پہنچانے کا سودا کرتے ہیں۔ اور نائبِ رسولؐ کی یہی صفت ہوتی ہے۔ کہ وہ طالبِ حق کو اپنی مِلک میں لے کر عرفان و مشاہدہ عطا کرتا ہے۔

عقلِ کُل مَوصُوف اَز آئینہ حق
از ہمہ آئینہا بردہ سَبَق

پیرِ اکمل مثلِ آئینہ کے ہے۔ اور اِس میں ذاتِ حق کا عکس طالبِ حق کی رُوح کو حاصل ہوتا ہے۔ جب تک پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت حاصل نہ کی جائے کسی کو عرفان و مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

نامِ اُو نورُالزّمان از نورِ احد
یافتہ گنجینۂ توحید از صمد

اُس عقلِ کُل کا نامِ نامی اِسمِ گرامی نورُالزّمانؒ ہے۔ جو نورِ احد کے مخصوص انوار میں سے ایک ہے۔ اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے عِلم و معرفت کے خزانے عطا کئے گئے ہیں۔



زیں سبب فرمود احمدؐ در مقال
نورِ احمدؐ ہستی تو اندر فعال

اِسی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بوقتِ زیارت (مدینہ منورہ) آپؒ سے فرمایا۔ کہ تم اپنے اَفعال (علم و عمل) میں میرے ہی نُور سے ہو۔

دَر مدینہ چوں رسیدند دَر سرائے
آمد آں ختمِ رسل خیرُالورٰے

پیر نورالزمان شاہ صاحبؒ حجِ بیت اللہ سے ہو کر مدینہ منورہ زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آئے۔ تو سرائے میں ٹھہرے تھے۔ کہ رات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں تشریف لائے۔

گفت نامِ چیست تو اے پُرخرد
گفتند نامِ من چنیں خلق بُرد
مولوی نورُ الزّماں اندر جہاں
گفتند نورِ احمدی تو ہم بخواں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا۔ آپ کا نامؒ کیا ہے؟ آپؒ نے عرض

---

۱؎ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں آپؒ کو نورِ احمد کا خطاب فرمایا ہے۔

۲؎ آپ کا نام پوچھنا محبوبیت کے تابع تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے سینا پر حضرت موسیٰؑ سے پُوچھا اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ یہ خطاب بھی مقبولیت کے باعث تھا کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ کو رسول بنا کر مبعوث کرنا تھا۔ اور اِس مقبولیت میں آپ کو نشان عطا کرنا تھا۔ وہ نشان عصا تھا جس کی طرف اللہ نے

کی جہاں میں مجھے نورُ الزمان کے نام سے پکارا جاتا ہے"۔ تو حضورؐ نے فرمایا "تم نورِ احمد خطاب دیئے جاتے ہو ہم نے تمہیں مخصوص برگزیدہ کیا"۔

کہ زِ تو نورِ احد گشتہ پدید
ہم زمانہ رونق افزا شد جدید

کہ تم سے اب شیخ محی الدین جیلانی (دین زندہ کرنے والا) اللہ کا نور عام مشاہدے میں آئے گا۔ اور ایک زمانہ تمہارے فیض سے فیضیاب۔ اور عرفان میں کامل ہو گا۔

رونقِ فیضِ الٰہی دَر جہاں
یافتہ از علم تو نام و نشاں

تمہارے علم سے ایک جہان میں فیضِ الٰہی (قرآن و سنّت) کی رونق ہوگی۔ تمہارے باطنی فیض سے اَسرارِ الٰہی کا عام اَنکشاف ہو گا۔

کہ زِ تو ہر فعل مثلِ نورِ من
ظاہر آید سالکاں اندر زمن

تم سے میری سُنّت۔ میرا طریق اور راہِ عرفان سالکوں پر ظاہر ہو گا۔ وہ میرا طریق۔ شریعت علم القرآن و سُنّت کا اَجرا اور اَصل علم و عَمل اور نتیجۂ عمل (طریقت) ہے۔ اور طریقوں میں سب سے پسندیدہ طریق۔ طریقِ قادری اور

---

سوال کیا۔ یہی نشانِ نبوت و رسالت کے لئے بطورِ دلیل پیش کیا جاتا ہے۔ اِسی طرح حضورؐ آپؒ کی ذات سے اگرچہ واقف تھے لیکن یہ خطاب مقبولیت اور محبوبیت کی بنا پر تھا اور نام میں خصوصیت پیدا کرتی تھی۔



خصوصاً اویسی۔ جو مدت ہا مدت سے پوشیدہ تھا۔ اور عنقا تصوّر کیا جاتا تھا۔ آپؒ کے زمانہ میں علی الاعلان ظاہر ہو گا۔ طریقِ اویسیہ کی خصوصیت ؟

ہم حضُوری میشوند فی مجلسنا
آں زماں کہ میشود تو راہ نما

آپؒ قطبُ الاَقطاب کی حیثیت سے وَلایت کے مُقامِ اعلےٰ پر فائز ہوں گے اور لوگوں کو ہماری مجلس کا حضُوری کریں گے۔

چنانچہ آپؒ کی خصوصیت میں یہ شامل تھا کہ ہزاروں طالبانِ حقیقت ظاہری علم (قرآن۔ حدیث۔ فقہ۔ معقول۔ منقول۔ فلسفہ اور ہمہ اقسامِ علوم دینی) سے مزین ہو کر۔ ساتھ ہی معرفتِ الٰہی میں یکتا ہوتے۔ آپؒ کی صفت یہ تھی کہ آپؒ مشاہدۂ ذاتِ الٰہی میں محو رہتے۔ وَقت پر درس بھی دیتے۔ اور ایک طالب کو اُنگلی کے اِشارے سے چند ساعت میں زیارتِ رسولؐ سے مُشرّف کراتے جس کے لیے کسی مجاہدہ کی ضرورت نہ ہوتی۔

ایں اَمینِ خستہ و با صد ضرر
چشم دارد سویت اے کامل نگر

اے کریمی محبوب! جس کی جلو میں علم و مشاہدہ پیش پیش ہے۔ یہ اَمین آپؒ کا مشتاق۔ دِل خستہ اور رنجیدہ تیری طرف نظر رکھتا ہے۔ کہ ایک بار میری طرف بھی نگاہِ لُطف کر۔ کہ طالبِ حق کا ذاتی عمل اُس کے حصولِ عرفان کے لیے کافی نہیں۔ جب پیرِ اکمل چاہے۔ تو ایک ساعت میں سیکے تمام مراتب کو اِس طرح طے کرا دے گا جس طرح شاہین کے پَروں میں حقیر چیونٹی اِنتہائی بُلندیوں پر پہنچ جاتی۔

ہے۔ اے میرے محبوب۔ میری طرف نگاہِ لطف کر کہ تیری نگاہ و التفات میرے لیے سکون کا باعث ہوگی۔!

نظرِ تو صد قدرِ ما را مات کرد
ہم شیطاں از برکت او سیحات کرد

تیری نظر نے میری سینکڑوں خامیوں کو دُور کر دیا۔ تیری توجہ سے شیطان بھی خوف کھا کر بھاگ جاتا ہے۔

باشد وجودِ اولیا اندر زمین
از برائے حاصلِ حق الیقین

یہ ضروری ہے۔ کہ زمین پر اولیاء کا وجود قائم رہے۔ تاکہ انسان کو ایمان بالغیب سے ماورئ۔ حق الیقین کے ساتھ اَسرار و ذاتِ الٰہی کا ایمان حاصل ہو۔

تو بکوری ماندہ اے بے یقین
زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ ان کے دل ہیں مگر اس میں توتِ مشاہدہ و اعتقاد نہیں۔ یہ اس لیے کہ یہ لوگ ماورئ اَدراک کا ایمان بالغیب کے ساتھ اِقرار نہیں کرتے۔ یہ لوگ محنت و مجاہدہ سے جی چُراتے ہیں۔ اِس لیے انہیں اصلِ علم کی آگاہی نہیں۔ یونہی جہالت و ضد کے باعث حقیقت کی نفی کر جاتے ہیں۔ اے باطن سے انکار کرنے والے! تو اپنی کورچشمی کے باعث اِن کیفیات و آثار کا یقین نہیں رکھتا۔ اِسی سبب تجھے حقیقت کا مشاہدہ حاصل نہیں۔ کہ تو اُس پر ایمان بالغیب کے ساتھ یقین کرے۔ اور حق الیقین تو تجھے ہو ہی نہیں سکتا۔



نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت
تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

روحانی اعتبار سے مردانِ خدا مُشرق و مغرب کو اِحاطہ کیے ہوتے ہیں۔ تو اُس حُبّ و عمل سے محروم ہے۔ بے جان پتھر کی طرح پڑا ہے۔ تو کیسے یقین کر سکتا ہے کہ مَردانِ خُدا کے کمالات کیا ہیں۔؟

منکرے را ایں چنیں باشد سزا
کہ نہ بیند نورِ مرداں از خدا

مُنکروں کے لیئے یہ سزا کافی ہے۔ کہ وہ نہ اولیاء کو پہچان سکتے ہیں۔ نہ نورِ الٰہی کی تجلی اُن کے سینوں میں پائی جاتی ہے۔

صد ہزاراں شکرِ تو اے ربِّ دیں
دَر دلِ مَن تو نہادی ایں یقیں

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اللہ ہی صراطِ مستقیم تک پہنچاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو انسان کو اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر (گمراہی میں) پڑا رہنے دے۔ کہ یہ اس کا ذاتی فعل و اختیار ہے اور جس کے دل میں اللہ اور رسول کی محبت کا ذرہ سا بھی موجود ہو تو اُس کی مدد کرتا ہے اور اُسے اپنی راہِ مستقیم تک پہنچاتا ہے۔ اے پروردگار میں تیرا شکر گذار ہوں۔ کہ تُو نے میرے دل میں راہِ معرفت کی قدر کی توفیق ڈال دی اور میں اُس پر یقین رکھتا ہوں ورنہ انسان کی ذاتی سرشتِ سفلی۔ انحراف و نافرمانی ہی ہے۔

اُلاماں ایقان گشتہ آں جہاں
ہست پیشِ قلبِ من یک سرِ عیاں

اِس وقت میری طبیعت لطیف ہے۔ اور مجھ پر احوال وارد ہیں میرے قلب پر ایک رازِ حقیقی کا انکشاف ہو رہا ہے۔

جزِ من از کلِ اُو کلی شدہ
کز عنایت پیرِ اکمل پُر شدہ

میرے قلب پر رُوح کی اِس کیفیت کا عکس طاری ہے۔ کہ میری رُوح (جز) کُل میں فنا ہو کر کُل ہو گئی۔ اور وہ ذاتِ پاک پکار کر کہہ رہی ہے[1] سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ پاک ہوں مَیں نہیں کوئی میری شان کے برابر۔ اور یہ سب اُس شاہینِ بلند پرواز کی عنایت سے مجھے حاصل ہُوا۔

---

[1] یہی مقام ہے جب ایک سالک کے مشاہدہ آتا ہے۔ تو یہ رُوحانی تاثر قلب پر وارد ہوتا ہے۔ اور سالک اِس کیفیت کے مشاہدہ میں محو ہو جاتا ہے۔ اُس وقت روحِ رحمانی (جز) عدم محسوس ہوتی ہے۔ اور باقی کُل محسوس و مشہود ہوتی ہے۔ عقل و شعور محو مشاہدہ ہوتے ہیں۔ تو انسان بیخودی میں اسی کیفیت فنا کو زبان سے ادا کرتا ہے۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ۔ جیسے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ گویا یہ رُوحانی کیفیتِ فنا کا تاثر ہوتا ہے۔ جو اصل حقیقت ہے۔ کہ سالک کی روح قربِ الٰہی میں ذاتِ الٰہی میں سما کر فنا حاصل کرتی ہے۔ ادھر سالک بیخودی میں اِس مشاہدہ کو زبان سے ادا کرتا ہے۔ ایک حقیقی کیفیت کو زبان سے ادا کرنا۔ کوئی کفر تصوّر نہیں کیا جاتا۔



پیر باشد مثلِ پیرِ مَن عیاں
نے چو پیرے عرض کیسہ در نہاں
مثلِ زنبیلے گدایاں بس دراز
ظاہرش اندر نماز و بس نیاز
نظرشاں بر انیکہ آید مرغ کے
تا نباشد خالی از حلوئے شبے

پیر اگر ہوں۔ تو میرے پیر جیسے۔ نہ کہ ایسے پیر جیسا کہ گودڑی کے نیچے بھیک مانگنے کی کشتی ہو۔ اُن کے پاس زنبیل کے مانند تھیلہ ہوتا ہے۔ کہ دُنیا کی ہر مُردار چیز اُس میں سما جاتی ہے۔ ظاہر طور پر یہ نمازوں، وظیفوں میں مشغول۔ مگر اُن کے طریق فقر سب چلے۔ نذر و نیاز کے ہیں۔ اُن کی نظر مریدوں کے خوانوں پر ہوتی ہے۔ کہ نیاز خالی ہے۔ کہ ساتھ مُرغ بھی ہے۔ اُن کی شب بغیر حلوہ کے بے رونق ہو جاتی ہے۔ حقیقتاً پیرِ اکمل صاحبِ ولایت کی شناخت یہ ہے کہ پیرِ اکمل جب شریعت و طریقت کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو یہ نازک مقام ہوتا ہے۔ یہ مقام قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ قرآن نے واضح طور پر رسول اللہ کی خصوصیت بتا دی ہے۔ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ وہ اللہ ہے جس نے اٹھایا اُمیوں میں سے ایک رسول اُنہیں میں سے۔ جو تلاوت کرتا ہے اُس کی آیتیں اُن پر اور تزکیہ کر کے اُنہیں پاک کرتا ہے اور آگاہ کرتا ہے۔ کتاب کی اصل ہیئت و کیفیت سے اور پوشیدہ کیفیات سے۔ رسول صرف اسی عمل کو پُورا کرنے آتا ہے۔ اور رسول کے بعد اُس کی جگہ

اُس کا قائم مقام انہیں صفات سے متصف ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی ہر آیت ہر لفظ
ہر حرف کی اصل سے آگاہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک لفظ بھی اُس کے احاطۂ علم سے
باہر نہ ہو۔ لوگوں کو اصل علم الکتاب سے آگاہ کرتا ہو۔ تزکیہ کرتا ہو۔ اور ہر انسان
کو پوشیدہ اسرار دکھا سکتا ہو۔ اِس کے سوا عالم کی کوئی تعریف نہیں۔ کوئی شخص
عالمِ اُمت ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ جب تک کہ وہ خود متقی نہ ہو۔ صاحبِ شریعت
نہ ہو۔ اُسے خود تزکیہ حاصل نہ ہو۔ اُسے علم الکتاب کے پوشیدہ اسرار کا علم نہ ہو۔
وہ متشابہات اور حکمت کے آثار کا علم نہ بتا سکتا ہو۔ اُس کے ساتھ ہی اُسے مشاہدہ
علم الکتاب کا ہونا ضروری ہے۔ مشاہدہ سوائے تزکیہ کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ تزکیہ
حاصل نہ ہو۔ تو قرآن کے متشابہات پر عبور حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ متشابہاتی
کیفیات کو پانے کے لیے فہم قلبی اور مشاہدہ قلبی ضروری ہے۔ ورنہ قرآن کی سطحی
تاویل کا احتمال ہوگا۔ قرآن و حدیث اور فقہ کی تحصیل ایک غیر مسلم بھی کر سکتا ہے۔

علماء اُمت کی تعریف اسی لیے کانبیاءِ بنی اسرائیل کی گئی ہے کہ اُن میں
انبیاء بنی اسرائیل جیسی خصوصیات پائی جائیں۔ ایسا ہی عالم مسجد کے منبر پر تبلیغ کر سکتا
ہے۔ ایسا ہی عالم خانقاہ میں بیعت کر سکتا ہے۔ ورنہ جو خود سے بے خبر ہو۔ صرف
عربی پر اُسے ناز ہو۔ نہ اُسے تقویٰ ہو۔ نہ اُسے تزکیہ حاصل ہو۔ نہ مشاہدہ حاصل ہو
صرف کتابوں کا بوجھ سر پر لادا ہوا ہو۔ کسی دوسرے کی کیا راہنمائی کر سکتا ہے؟ عالم
اُمت نے وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ پر ہی اکتفا نہیں کرنا۔ بلکہ ایک طالبِ حقیقت
کو بالمشاہدہ حقیقت سے ہمکنار کرنا ہے۔ عالمِ اُمت کے لیے یہ سند کافی نہیں۔ کہ
اُس کے دادا۔ پردادا ولی گزرے ہیں۔ اور لاکھوں مرید اُس کے آستانہ پر زیارت



کے لیے اور دینوی حاجتیں مانگنے آتے ہیں۔ اور مریدوں کی نیازوں سے کمرے
بھر بھر جاتے ہیں۔ لاکھوں روپیہ نیاز میں حاصل کرنا اور لاکھوں مرید بنانا۔ اصل
شریعت و طریقت نہیں۔ بلکہ بدعت و دھوکہ ہے۔ ایسے عالم جو ظاہری علم میں
کمال حاصل کئے ہوئے ہوں۔ اور بزعم خود مبلغ بھی ہوں۔ لیکن اگر انہیں مشاہدہ و
عرفان حاصل نہیں۔ انہیں حق حاصل نہیں کہ اپنے آپ کو عالمِ اُمت کی حیثیت سے
پیش کریں۔ یا اِس حالت میں لوگوں کو بیعت کریں۔ اور ایسے لوگوں پر تو افسوس ہے۔
جو علم القرآن و حدیث سے قطعی نابلد آثارِ طریقت سے بے خبر صرف لفاظی اور شاطرانہ
چالوں سے فقیری۔ اور عالم کا سفید و سیاہ لبادہ سر سے پاؤں تک اوڑھے مصنوعی
فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں اور لاکھوں بندگانِ خدا کو دھوکے میں رکھ کر بھٹکا کر خلافِ
شریعت اقدام پر عامل کرتے ہیں۔ اُن کی غرض صرف لذتِ نفس جاہ پرستی اور
حصولِ دولت ہے۔ یہ اللہ کے کلام کو کم قیمت مال پر فروخت کر کے اپنے خزانے
بھرتے ہیں۔ اُن کا واحد مقصد اللہ و رسولؐ کا سچا راستہ دکھانا نہیں بلکہ اپنی راہ
دکھانا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عالمِ اُمت کا دعوے بالفاظ دیگر نبی ہونے کا دعوے
ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص صاحبِ علم۔ صاحبِ معرفت صاحبِ مشاہدہ
ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ ایسا شخص عوام المسلمین کو عرفانِ الٰہی کی تکمیل کا دعویٰ
کرتا ہے۔ اور جو شخص بغیر کمالاتِ نبوت کے دعویٰ نبوت کرے۔ وہ کذاب کہلاتا
ہے۔ خواہ وہ اپنی دانست میں دیئے ہوئے چند مسائل میں دھواں دھار تقریرے
لوگوں کو متاثر ہی کیوں نہ کرے۔ لیکن جب تک اُس میں يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ

کے ساتھ وَیُزَکِّیْھِمْ (تزکی) کی صلاحیت اور یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ کی خصوصیت حاصل نہ ہو کہ وہ تزکیہ کے ساتھ مشاہدۂ اسرارِ الٰہی کا خود شاہد ہو اور دوسروں کو بھی اِس علم سے آگاہ و شاہد کراتا ہو۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ میں شمار نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت راہِ عرفان کی راہنمائی کے لیئے ایک ولی اکمل صاحبِ علمِ شریعت و طریقت کا ہونا لازمی ہے۔ جو راہِ عرفان (صراطِ مستقیم) کے تمام آثار و اسرار سے کُلّی طور پر آگاہ ہو۔ اور دوسرے کو بھی مقصود تک پہنچا سکتا ہو۔ عرفان کے لیئے ظاہری علم (ترجمہ قرآن وحدیث) کافی نہیں ہو سکتا۔ جب تک اُس کے ساتھ تزکیہ و مجاہدہ نہ شامل ہو۔ اِس لیئے ولایت میں ولی کے تین مدارج مقرّر کیئے گئے ہیں۔

(۱) ولی کامل (۲) ولیِ مکمّل۔ (۳) ولیِ اکمل۔

۱۔ ولی کامل وہ ہے۔ جو حضوریئے اجلاس محمدی صلے اللہ علیہ وسلم ہو۔ ہر وقت دربارِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضر رہنے والا۔ صاحبِ مشاہدہ ہو اگر یہ کیفیت حاصل نہ ہو۔ تو باوجود۔ قرآن وحدیث کی اِنتہائی تحصیل کے بھی وَلی نہیں کہلا سکتا۔

۲۔ ولیِ مکمّل وہ ہے۔ جو ذاتِ باری تعالیٰ کے تمامی آثار و انوارِ احدیت مشاہدہ و مراتب حاصل کر چکا ہو۔ لیکن خود طالب کی حیثیت سے ہو۔ مُرشد کی حیثیت نہ پاتا ہو۔ ایسا شخص خود انتہا کو پاتا ہے۔ مگر کسی کو مقصود تک لے جانے کی قوّت نہیں رکھتا۔

۳۔ ولیِ اکمل۔ یہ صفت تفضیلی کُل ہے۔ ولی اکمل وہ ہوتا ہے جو ذاتِ باری تعالےٰ



کے نورِ احدیت میں فنا و بقا حاصل کر چکا ہو۔ اُسے عرفان و مُشاہدہ حاصل ہو۔ اَرض و سمٰوٰت کے باطنی اَسرارِ الٰہی کے ہر کیف و طریقِ راہ رَوی سے کُلی طَور آگاہ ہو۔ اور ایک طالبِ حقیقت کی پوری راہنمائی کرنے والا ہو۔ ولیِ اکمل کی خصُوصی صِفَت یہ ہوتی ہے۔ کہ طالب کو بغیر کسی مُجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں مشاہدہ عرفانِ الٰہی کی تکمیل کرا دے۔ اِن تین مدارج میں۔ ولی کامل۔ ولیِ مکمّل بیعت کرنے کا حق نہیں رکھتے نہ ہی وہ عالِم بیعت کر سکتا ہے۔ جو صاحبِ مشاہدہ ولی نہ ہو۔ صرف ایک عَالِم یعنی مُتّقی اور مُنتہی علمِ القرآن وحدیث ہو۔ کیونکہ جب تک اسے مشاہدہ اَسرارِ الٰہی نہیں یہ شخص کسی کی عالمِ باطن میں راہنمائی نہیں کر سکتا۔ اور بَیعت صرف اِسی غرض سے ہوتی ہے۔ کہ طالبِ حقیقت کو اَسرارِ الٰہی کا مشاہدہ کر کے معرفت الٰہی کی تکمیل کرائی جائے۔ صرف ولیِ اکمل ہی بَیعت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ خُود اکمل ہے۔ اور دوسرے کو مکمّل کر سکتا ہے۔ اِس لیئے ولی کی صِفَت یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ طریقِ طریقت میں ایک طالب کو اِبتدائی طور۔ زیارتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مُشرّف کر کے ولیِ کامل کا درجہ عطا کرے۔ ولیِ اکمل ہی عَالِمِ اُمّت کی حیثیت سے کسی کو بَیع کر کے اُس کے دین و ایمان کو سلامتی اور تکمیلِ مقصُود کی ضمانت دے سکتا ہے۔ یہ شخص عُلماءِ اُمّت کا سردار اور قطبُ الاقطاب ہوتا ہے۔ پیر ہو تو ایسا ہو۔ ورنہ نفس پرست اور کذّاب عَاقبت کا خوف نہیں رکھتا۔ کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے ایک دن مجھے جوابدہ ہونا ہے۔ اُس کا مقصود راہ دکھانا نہیں۔ وہ تو دُنیا کی حاجتیں پوری کر کے اپنی جیب پُر کرتا ہے۔ ہاں یہ یاد رکھنا ضروری ہے

کرکسی ولی کے پاس دُنیا کی حاجتیں پوری کرنے کے لیئے نہیں جایا جاتا۔ ولی کے پاس ایمان کا سودا ہے۔ اُس سے سوائے ایمان کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ کسی ولی کا محض دنیاوی حاجتیں پوری کرنا محض دھوکا دینا ہے۔

اُے بسا کہ اُز نیازِ حلوا خواں
گشتہ خال قلبؔ جاں از جلوہ جاں

ایسے لوگ فقرؔ سے صرف دُنیاوی جاہ و دولت وصول کرتے ہیں۔ بظاہر یہ اپنے آپ کو عارِف کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور علمِ طریقت سے بے خبر لوگ اُنہیں حضورِ انور۔ ہادیِ دین۔ سراجِ مُنیر۔ غوثُ المعظم۔ قطبِ زماں۔ مولانا مُرشِدنا وغیرہ وغیرہ کا اپنی طرف سے خطاب دیتے ہیں۔ یہ لوگ اِن القابات کو قبول کر کے اپنے ظاہر کو اِسی طرح پیش کرتے ہیں۔ لیکن اُن کے قلب نورِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی تقلید انسان کو گمراہی اور نقصان تک پہنچاتی ہے۔ ورنہ یہ سب علامتیں ظاہری نمود کی ہیں۔ ولایت کی اصل نہیں۔

باید اے یاراں دریں راہ کوششے
تا نہ باشد نورِ حق را پوششے

اے یارانِ طریقت ایہ مدارج و مراتب حاصل کرنے کیلئے بناوٹ اور شہرت سے علیحدہ ہو کر سر توڑ مجاہدہ۔ ریاضت چاہیئے۔ تاکہ کوئی ماسوٰی کیفیت نورِ حق کو حاصل کرنے میں حائل نہ ہو۔

دَر شبِ تاریک ساعت ہا دَراز
باش گریاں زار زارو۔ زارو زار

اگر تُو حقیقت کا طلب گار ہے۔ تو دل میں عشق پیدا کر۔ اور اپنے محبوب کے



وِصال کی خاطر سوائے تصوّرِ محبوب کے ہر شے کی نفی کر۔ تجھے جب تمام دُنیا سوئے ہو۔ چین نہ آئے اور تو طویل راتوں میں بھی گریہ و زاری میں بسر کر۔

تا بجوش آید بتو کانِ قدیم
ریزد از دریائے حق دُرِ یتیم

تاکہ رحمت کا دریا جوش میں آئے۔ اور اِس دریائے حق سے بے بہا موتی تجھے حاصل ہو۔

پُر شود اُز لعلِ اُو قلبِ دروں
یابی از اُنوارِ حق بیرُوں دروں

تاکہ ذاتِ باری کے انوار پے در پے تیرے قلب پر وارد ہوں۔ اور تجھے مُشاہدۂ الٰہی حاصل ہو۔

اِیں سُخن پایاں نہ دَارَد اے امِیں
حِصّہ کو دَارَدْ کہ ہست حقُّ الیقین

اے امیں۔ یہ بات مخاطب اور غیر مخاطب پر جب ہی اثر کرتی ہے جب کسی میں طلبِ صدق۔ اور اولیاء سے محبّت و عقیدت سے لگاؤ ہو۔ یہ حصّہ اُس کو ملتا ہے۔ جسے حقُّ الیقین کا درجہ ربالغیب کے ساتھ) حاصل ہو۔ ورنہ غیروں کے لیئے یہ سخن لاحاصل ہے۔

حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنعِ جلال

مختصر حاصل اِن باتوں کا یہ ہے کہ تُو اُس راہ کی طرف رُجُوع کرتا کہ تجھے اُس خالقِ اکبر کے اَسرار سے آگاہی حاصل ہو جائے۔

گر رَوی دَر پیشِ کامِل راہنما
پُر کُنی کاسہ زِ خُم اُو چُوں گدَا

کہ تُو کسی پیرِ کامل کو اپنا راہبر بنالے۔ تو وہ شرابِ معرفت سے تیرا کاسہ شلِ گدا کے پُر کرے گا۔

میکُنی تسلیم جاں را پیشِ او
گردی از دریائے حق چوں شمس او

تُو اپنی جان کو اُس کے سپرد کر دے اور غلام بن جا۔ اپنے ارادہ و حرکت کو اُس پر بیچ کر دے۔ اور اپنی ذمہ داری سے یکسر دَست بَردار ہو جا۔ ماضی و مُستقبل سے آنکھیں بند کر اور اپنے پیرِ اکمل کے حکم پر بلا سوچے سمجھے عمل کر۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

اِس میں شک نہیں کہ تیری عقل تیرے اِرادوں کو نفع و نقصان کی حد میں باندھنے والی ہے۔ لیکن ایسے علم میں جو تیرے حواس کی حدود سے باہر ہے۔ کسی کامل کے حکم پر اپنی عقل کی حدوں سے گزر کر اُس پر عمل کر۔

گردی از دریائے حق چُوں شمس رُو۔

تیرا پیر تجھے توحید کے دریا میں دھکیل دے گا۔ تو یقیناً تو اُس دریائے حق سے مُزکّی ہو کر ایک مُنوّر قلب حاصل کرے گا۔



یابی از توحیدِ یزداں راز ہا
آں زماں کا موختی پرواز ہا

تُو اُس توحیدِ حقیقی میں داخل ہو کر بے شمار ماورائے اُدراک اَسرار کو پائے گا۔ جب تُو اُس کی راہ میں پرواز کی صلاحیت حاصل کرے گا۔

لیک تعجیلت بناشد کردہین
پیش اَکمل باش از فِتنہ رہین

ہاں! پیرِ اکمل کے پیش ہونے میں تجھے اَدب سیکھنا ضروری ہے۔ جب تُو اپنے آپ کو پیرِ اکمل کے حوالے کر دے۔ تو۔ تُو جان لے کہ اب تیری ہر شے تیری ملکیت میں نہ رہی۔ تیرا ذاتی اِرادہ بھی۔ ذاتی ارادہ نہ رہا۔ ہاں۔ اب تُو اپنے اِرادے سے کچھ کہہ سکتا ہے۔ نہ مانگ سکتا ہے نہ اُٹھ سکتا ہے۔ نہ بیٹھ سکتا ہے۔ یہاں تک کہ تُو اپنے مقصود سے بھی دست بردار ہو جا۔ تیرا مقصود تیرا پیر اور اس کا حکم ہی ہو گا۔

یہی طریق طالبِ صادق کا ہے۔ طالب کا کام حکم کی تعمیل۔ اور پیرِ اکمل پر یقین کامل رکھنا ہے۔ طالب کے پاس سوائے حُکم کے ماتحت چلنے کے اور کچھ نہیں رہتا۔ پیرِ اکمل کی مثال ایک ماہر طبیب کی سی ہے۔ بیمار کو جس طرح سمجھے صحت کی طرف لاتا ہے۔ بیمار کی خِلطوں۔ خاصیتوں کے مُطابق اُس کا علاج مناسب کرتا ہے۔ کبھی طویل علاج میں رکھتا ہے تاکہ بیماری یکسر دُور ہو جائے کبھی کڑوی دوا استعمال کراتا ہے۔ کبھی خِلطوں میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ بیمار کے حال سے اچھی طرح واقف اُس کی موت وحیات کا ذِمّہ دار ہوتا ہے۔ بیمار کے بڑے جیسے علاج کی ضرورت

ہو ویسا ہی کرتا ہے۔ اور بیمار طبیب کے حکم پر چلنے والا اپنے علاج کو بھول جاتا ہے۔ اُس کا کام طبیب کی تابعداری ہے۔ بیمار حکیم کے پرہیز کا پابند ہے۔ اگر بیمار نے اپنی صحت کا خیال کیا۔ تو اُسے اضطراب پیدا ہو گا اور وہ واویلا شروع کرے گا۔ کہ طبیب مجھے صحت مند کیوں نہیں کرتا۔ اِس کا مطلب یہ ہو گا۔ کہ بیمار طبیب کی مرضی کے خلاف اپنی مرضی کو داخل کرتا ہے۔ اِس لیے بیمار نے اپنے صحت یاب ہونے کا خیال کیا۔ آیا اپنی سمجھ کو طبیب کی مرضی میں داخل کیا تو بیماری دُور نہ ہو گی۔ بلکہ نقصان ہو گا۔ گویا بیمار طبیب کے حکم پر چلنے پر آمادہ نہیں۔ بلکہ اپنی مرضی پر طبیب کو چلانا چاہتا ہے۔ اِس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ یا مریض طبیب کے علاج سے گریز کرے گا۔ یا طبیب ایسے بیمار کے علاج سے دستکش ہو جائے گا۔ یہی کیفیت طریقت میں ہے کہ طالبِ صادق میں صبر و استقلال ہونا چاہیے۔ اپنے مقصود کو پانے میں جلدی نہ کرے بلکہ پیرِ اکمل کی مرضی پر صابر رہے۔ کیوں کہ پیرِ اکمل ایک طالب کی ہر ضرورت سے آگاہ ہے۔ اور اُس کے علاج میں کوشاں ہے۔ اِس لیے وہ بحیثیت طبیب کے طالبِ صادق کے مقصود کو خود پورا کرنے کا ذمّہ دار ہے۔ ایسی صورت میں طالبِ صادق کو پیرِ اکمل پر کوئی سوال کرنے کی ضرورت نہ ہو گی بلکہ پیر کے حکم پر چلنا ہی اُس کا عمل اور اُس کی کامیابی ہے۔

اے طالبِ حقیقت! جان لے کہ طریقت، محنت اور عشق ہے۔ عشق کے معنی فراق ہے اور وصل ہے عشق کی موت۔ اگر تو عشق کے سُرور سے مسرور رہنا چاہتا ہے تو دُوری کو اختیار کر تاکہ تیرا عشق ہمیشہ تیرے ساتھ رہے۔ تو اپنے مقصود کے لیے جلدبازی سے کام نہ لے۔ ورنہ تیرا عشق ختم ہو جائے گا۔ جب تک تیرے دل



میں فراقِ یار کا سوز نہیں۔ تیرا عشق کامل نہیں۔ جب تک تیرے دل میں فراقِ یار کا درد نہ ہو تو عاشق نہ کہلائے گا۔ یہی درد محویت و استغراق پیدا کرتا ہے۔ یہی محویت فقر کی اصل ہے۔ ؎

آ اور دیکھ محویتِ بے خودی مری     تجھ سے بھی بے نیاز ہُوا جا رہا ہوں میں

(سیماب)

اِسے طریقِ اویسیہؒ کہتے ہیں۔ یہی کیفیت طالب کو حضرت اویسؒ سے نسبت دلاتی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِنتہائی عاشق تھے۔ لیکن اپنی عمر میں آپؐ سے ایک بار بھی ملاقات نہ کی۔ اِس کا سبب فراقِ یار کی لذّت تھا۔ اِسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو اپنا دوست کہا۔ کہ یہ طریق اِنتہائی عشق کا تھا۔ ہاں یہ عشق مردانِ خدا کی صحبت سے ہی تجھے حاصل ہو گا۔ وہی تیرے قلب میں عشق کی آگ کو گرما دیں گے۔ ورنہ بغیر پیرِ اکمل تو کسی طرح بھی اپنی طلبِ صادق میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔

ہست اندر دورئے مردِ خدا
گویا کہ از حق شدن با حق جدا

مردانِ خدا سے دُوری گویا اصل حق سے محرومی ہے۔ اور جب تک تجھے مردانِ خدا کی صحبت حاصل نہ ہو یہ کمال تجھے حاصل نہ ہو سکے گا۔

مَن شُنیدم از زبانِ سالکِ کلان
کہ وجودِ اولیا پارس بدان

مَیں نے اولیائے کاملین سے سُنا ہے۔ کہ اولیا کا وجود مانندِ پارس

ہوتا ہے۔ جو کوئی اُس سے مس کر جائے سونا بن جاتا ہے۔

لیکن بیانِ سخن بس راز ہست
گفتنِ اُو زیں سبب مُمتاز ہست

لیکن یہ بیان ایک رازِ سربستہ ہے۔ جو خواص و عارف ہی سمجھ سکتے ہیں۔ عوام پر یہ نکتہ ظاہر کرنا جائز نہیں۔

از اثرِ پارس شود آہن زر
از اثرِ سالک شود سالک دگر

پارس کے اثر سے لوہا سونا بن جاتا ہے۔ لیکن سالک کے اثر سے دوسرا بھی سالک بن جاتا ہے۔

لیکن ازاں سالک شود سالکِ چنیں
از اثر زر۔ زر نباشد بالیقیں

پارس سے مس ہُوا لوہا سونا بن جاتا ہے۔ اس سونے کے مَس سے لوہا سونا نہیں بن سکتا لیکن سالک کے اثر سے دُوسرا بھی پارس (سالک) بنتا ہے۔ اور اِس سالک کے اثر سے ایک اور (تیسرا) بھی سالک بن سکتا ہے۔

پس بداں کہ ہر توجہ راہ نُما
میشود یُصلِح لکُم اَعمالکُم را راہ نُما

پس جان کہ سالک کی توجہ سے تیرا تزکیہ ہوگا۔ جو کہ نصِ قرآن ہے وَیُزَکِّیۡہِمۡ کی توجہ سے تیرا وجود کُندن بن جائے گا۔ جو تیرے اعمال کو صالح کر دیتی ہے۔



ہر رگِ از بدنِ تو ُداں بالیقین
پُر شود از نورِ پاکِ ربِ دین

پیر کی توجہ سے تیرے بدن کی نس نس تجلیاتِ الٰہی کے انوار سے بھر جائے گی۔

یعنے ہر ذرہ کہ کُردی تو شگاف
نظر آید نُورِ یزداں بے خلاف

اس حالت میں اگر تو باطناً اپنے وجود پر نظر ڈالے۔ تو تجھے اپنے جسم کے ہر بُنِ مُو سے نورِ الٰہی ٹپکتا نظر آئے گا۔

بینی از دریائے یزداں نہرہا
آں زماں کہ جوش زد انوار ہا

تُو ذات وصفاتِ الٰہی کے انوار سے نور کی نہریں بہتا دیکھے گا جب تیرے وجود میں یہ نورِ یزداں جوش زن ہوگا۔

چُونکہ عالم غیب پردہ بُردرید
میشود از غیب اقلیم ہا پدید

یہ وہ مقام ہے۔ جب تیرے سب حجاب مِٹ جائیں گے۔ تو تیرے سامنے غیب سے انوار کے مُلکوں کے مُلک ظاہر ہوں گے۔

ایں ہمہ عالم مع اشیائے کُل
میشوُد معدُوم از اَجزائے کُل

اُس وقت یہ تمام اشیائے مخلوق۔ معدوم ہو جائیں گی۔ تیرے سامنے اُن

کے اجزاء کی ہستیں محو ہو جائیں گی۔

بینی از اوّل تا آخر یک توحید
گشتہ از اکرام یک عالم پدید

پھر تو ازل سے ابد تک اوّل سے آخر تک ایک ہی نورِ واحد کو پائے گا۔ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ۔ ھُوَ الْاَوَّلُ ھُوَ الْاٰخِرُ۔ ھُوَ الظَّاھِرُ ھُوَ الْبَاطِنُ۔ کی پُوری تفسیر تجھ پر منکشف ہوگی۔ کہ تمام عالمِ خلق ایک ہی نورانی عالم میں مشاہدہ میں آئے گا۔

میشوند از غیب انوار آشکار
جاری از دریائے یزداں نوبہار

اُس کے بعد اب عالمِ غیب میں تیرے سامنے انوار ظاہر ہوں گے۔ جو نورِ حقیقی۔ منبعِ حقیقی سے جاری ہوتے ہیں۔

ایں سخن پایاں ندارد آں محیط
از حدود مقدار دالی بیروں بسیط

میرا یہ بیان اُس ذاتِ لامحدود اللہ کی وُسعت کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے وہ خیال و وہم۔ حدود و مقدار کی قید سے مُنزّہ۔ مخلوق سے دُور اور بیروں اس قدر وسیع ہے۔ جہاں اُس کی ذات کے تصوّر میں پڑ کر سوائے "اللہ" (حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا) کے زبان سے کچھ نہیں نکلتا۔

---



# دربیانِ منازلِ فقر کہ در سیرِ سالک ظاہر آیند

بیان منازلِ فقر جو کہ سالک کو راہِ عرفاں طے کرنے میں پیش آتی ہیں۔ یہ منازل صراطِ مستقیم سے تعبیر ہیں۔ صِرَاطِ مُسْتَقِيْم سے مُراد صراط اللہ کی معرفت کا راستہ (صراط اللہ کی کیفیت سے کیا مراد ہے؟۔ صِرَاطِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اللہ کا راستہ وہی ہے۔ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین سے ہے۔ یہی صراط اللہ ہے۔ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وہ علم ہے جو اَسْمَاءَ کُلَّھَا میں شمار ہے۔ انہیں اسماء میں سے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا آدمؑ کو نفخِ رُوح کے ذریعہ علم دیا گیا جس سے اُسے خلیفہ و نبی کا خطاب ملا۔ اُنہیں اسرار میں سے ہر نبی مخصوص و مُصطفٰے کو علم دیا گیا۔ اُنہیں اسرار میں سے ہر بشر کو اُس کی پیدائش کے ساتھ اُس کی رُوح کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر بشر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کی صفت میں شامل ہے۔ کیونکہ ہر بشر مثلِ آدمؑ وانبیاء جسم اور رُوح کا مرکب پیدا ہوتا ہے۔ اُس کی رُوح مشاہدۂ نوری کے لیے اُس میں ڈال دی گئی ہے۔ اس لیے ہر بشر کی رُوح کو مشاہدۂ اَسمائے الٰہی انسان کی پیدائش سے قبل دیا جاتا ہے۔ انسان کی پیدائش کی غرض و غایت یہی ہے۔ کہ وہ اِسی سِر کی حفاظت کا ذمّہ دار ہے کہ وہ اپنی مقررہ زندگی (اِلٰی حِیْنٍ) میں اپنے ہوش و حواس کے قائم ہونے کے ساتھ اِس علم و مشاہدہ کی حفاظت کرے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ نہیں خلق کیا جنوں اور انسان کو مگر عبادت کے ذریعہ عرفان حاصل کرنے کے لیے (لِیَعْرِفُوْنِ) کہ اللہ اور اُس کے اسرار کا مشاہدہ جاری

رکھیں۔ چنانچہ ہر رسول کو جب مخصوص کیا گیا۔ تو اُسے نبی کہا گیا اِس لیے کہ اسے فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى کے لیے خُصُوصی طور پر مامور کیا گیا۔ یعنی جب تمہارے حقیقت سے دُور ہونے پر تمہاری خلافت تم سے ضائع ہو۔ اور تم میں تصورِ حقیقی۔ عرفانِ الٰہی اور عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ کی خصوصیت بوجہ غفلت باقی نہ رہے۔ تو تمہاری اصلاح کے لیے۔ تم ہی میں سے ایک بشر تمہارے جیسا نبی۔ خلیفہ (مصطفٰے و منتخب) کیا جائے گا۔ اُس کے ذریعہ تمہاری طرف ایک ہدایت بھیجی جائے گی۔ یہ ایک شرعی قانون ہو گا۔ اُس ہدایت میں ایسے احکام۔ ایسے طریق پیش کئے جائیں گے۔ جن میں اوّل تمہارے سامنے احکام و متشابہات۔ طریقِ عبادت۔ اور مخفی کیفیات پیش کئے جائیں گے۔ پھر رسول تمہارا تزکیہ کرے گا۔ اس تزکیہ سے تمہاری کثافت جو تمہارے مشاہدۂ اسمائے الٰہی میں حائل ہوگی۔ دُور کی جائے گی۔ یعنی اوّل ماحول سازگار کر کے تمہیں نماز۔ روزہ کی صحبت میں لا کر حقیقت کی طرف توجہ دلائی جائے گی۔ اَمر و نہی سے تمہیں بدی سے باز رکھنے کی تلقین اور تدبیر کی جائے گی۔ پھر جسمانی تزکیہ کے ساتھ رُوحانی تزکیہ بھی کیا جائے گا۔ اور جو ہماری آیات میں آثار و اسرار بتلائے گئے ہیں۔ اُن کا علم بالمشاہدہ دیا جائے گا۔ یہ وہی آثار ہوں گے۔ جن سے تمہاری پیدائش کے ساتھ تمہیں رُوح کے ذریعہ آگاہ کیا گیا تھا۔ لیکن تم اُس سے بے خبر تھے۔ اِس طرح ہر وہ شخص جو عقلمندی سے حقیقت کی طرف رُجوع کرے گا پھر مقصود حاصل کرے گا۔ اور اپنا مقامِ خلافت و نبوت پائے گا۔ اور جس نے ہماری ہدایت تسلیم کرنے سے انکار کیا اُس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ وہ اپنے لئے ذلت و رسوائی اور عذاب حاصل کرے گا۔



ہو سکتا ہے کہ اِن واقعات کو مبالغہ تصور کیا جائے کہ ہر شخص اپنے عقائد کی مضبوطی کے لیے قرآنی آیات کو توڑ موڑ کر تاویل کر کے دلیل دینے کی کوشش کرتا ہے لیکن دیکھنا یہ ہے۔ کہ اِن دلائل میں کسی شخص کی ذاتی شخصیت دلیل میں لائی جاتی ہے۔ یا حقیقی واقعات دلیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

کسی شخص کی ذاتی شخصیت کو تسلیم کرنے کے لیے انسان میں فہم ہے۔ نہ علم۔ سوائے کسی شخص کے علم کو فطری اُصول کے تابع مبنی بر حقیقت اور نتیجہ خیز پایا جائے۔ وہ "علم و عمل" ہی ہے۔ حقیقی علم تو علمِ الٰہی یا علمِ فطرت ہے۔ اُس کے ہر علم و عمل میں حقیقت کے اصل نقوش ملتے ہیں۔ ایسے عالِم کے پاس اوّل شعورِ قلبی اور فقہِ قلبی ہونا لازمی ہے ورنہ بغیر وجوہ بغیر مشاہدہ کسی شخص کی ذاتی شخصیت تسلیم کرنے سے اندھی تقلید پیدا ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصلیت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ اور مَن گھڑت علم و عمل فروغ پا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کی ذاتی شخصیت تسلیم کرنے پر اُس کے ایسے غلط عقائد۔ جن میں شعورِ قلبی اور فقہِ قلبی نہ پایا جائے۔ صرف اُس کی ذاتی شخصیت کی بنا پر مجبوراً تسلیم کرنے پڑیں۔ اِس طرح خالص نظام میں فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اِنسان اندھی تقلید کی وجہ سے بجائے صحیح راہ پانے کے غلط راہ پر چلنے لگ جاتا ہے۔ اور ایسی شخصیت کے تاثر سے انسان ایسی راہ اور علم و عمل کو لاعلمی کی وجہ سے قطعی حقیقت سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اِس علم و عمل میں آیاتِ الٰہی کو ہی پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن فرق یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کی تاویل شعور و فقہِ قلبی کے ساتھ حقیقی ہوتی ہے اور دوسرے کی تاویل سطحی اور عقلی ہوتی ہے جس سے آیاتِ قرآنی کے اصل معانی و تفسیر میں شدید اختلاف پیدا

ہو جاتا ہے۔ قرآن نے اِس فتنہ کا سدِّباب خود کر دیا ہے۔ کہ قرآن نے ہر کیفیت کو اُس کی صفت کے ساتھ ہی نام و کیفیت میں پیش کیا ہے۔ تاکہ غلط تاویل اصل علم کو پوشیدہ نہ کرے۔ چنانچہ قرآن نے انسانی پیدائش میں اُس کی خصوصیت بیان کرنے میں کوئی پہلو نہیں چھوڑا جہاں سے فتنہ کو گنجائش ملے۔ گنجائش اگر ملتی ہے تو یہی کہ جب قرآن کی آیات کو جان بوجھ کر بغیر فقہِ قلبی۔ کسی کی ذاتی شخصیت پر عقلی تاویل میں لایا جائے۔ قرآن نے کھلے الفاظ میں دانستہ طور پر تخلیقِ انسانی کے ہر پہلو کو واضح طور پر پیش کیا۔ اور ہم جب قانونِ فطرۃ کے مطابق دیکھتے ہیں۔ کہ انسان ایک عظیم الشان ہستی ہے۔ تو اِس کے لیے مخلوق سے کمتر درجہ دینا اور اُسی کو اصل حقیقت سمجھنا دراصل مبالغہ ہے۔

جب ہم اِس ارض پر انسان کے کمالات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ اشرف المخلوقات اور خلیفہ کی حیثیت میں یہ دُنیا کی ہر مخلوق میں برتر و قوی ہے۔ اِس بارے میں قرآن نے بھی اِس کی عظمت کو سمجھانے کے لیے دانستہ طور پر اِس کی پیدائش سے متعلق واقعہ کو پیش کیا ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط تحقیق میں زمین پر ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ اس آیت کی تشریح میں کسی شخص کی ذاتی شخصیت کو اگر دلیل میں نہ لایا جائے۔ کہ فلاں صاحب نے اِس آیت کی تشریح اِس طرح کی ہے۔ بلکہ دُنیا پر انسان کے ذاتی و صفاتی کمالات کو ہی دلیل میں لیا جائے۔ تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان کی برتری کو کائنات کی ہر مخلوق پر تسلیم نہ کیا جائے۔ قرآن نے خود بھی خلیفہ اور ارض کی تشریح کر دی ہے۔ اِس تشریح کے آگے کسی اور تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ضرورت



ہے کہ شخصی عقائد سے علیحدہ ہو کر قرآنی شرح پر ذہن کو عقائد سے خالی رکھ کر فکر کیا جائے۔

"ارض"۔ اور "خلیفہ" کے الفاظ پر غور کرنا ضروری ہے کہ یہ کیا کیفیتیں ہیں۔؟

ارض کے معنی۔ ایک مادی سفلی مقام جس کی ہر شے مادی اور سفلی ہوگی۔ زمین مادی ہے اور زمین کی اشیاء بھی مادی ہیں اور نور و نار کے مقابلہ میں سفلی درجہ رکھتی ہیں اِس کی دلیل بھی قرآنی آیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ کہا ملائکہ نے کیا تو ارض پر ایسی مخلوق کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے۔ جو سفلی زمین کی پیداوار سفلی خاصیتیں رکھنے والی ہوگی۔؟

خلیفہ سے مراد تسبیح و حمد کرنے والی ہستی۔ وہ تو ہم کر ہی رہے ہیں۔ زمین کی سفلی پیداوار سے تسبیح و حمد ناممکن ہے۔ کیا اِس آیت سے یہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ کہ ملائکہ کا قول درست ہے۔؟ کہ ارضی پیدائش فساد و خونریزی کرنے والی ہے۔ چنانچہ دُنیا پر اِس کی پیدائش کے بعد انسان کی خونریزی خود اِس بیان کی دلیل ہے۔ اِس آیت سے خود واضح ہے کہ اوّل مخلوق سفلی ہوگی۔ دوئم خلیفہ تسبیح و حمد کرنے والا جس میں ملائکہ کی مثل نوری صفات ہوں کیونکہ اِس انسان نے بھی تسبیح و حمد کرنی ہے۔ اور تسبیح و حمد ملائکہ کا کام ہے۔ اِس کے ساتھ ہی قرآن نے اِس اختلاف کو ختم کرنے کا ایک اور حوالہ دیا۔ کہ باوجود انسان کے سفلی ہونے اور فساد و خون ریزی کرنے کے۔ اللہ تعالیٰ اِسے خلیفہ بنا رہا ہے۔ اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ اِس کا مطلب نفی ہے، کہ نہیں! تم نہیں سمجھے اِس کیفیت کو۔ خلیفہ کے یہ معنی نہیں کہ سِفلی وجود ہی تسبیح وحمد کرے گا۔ خلیفہ کی یہ صفت نہیں تو پھر کیا صفت ہے؟ اِس کا ذکر قرآن نے آگے چل کر کیا۔ اور خلیفہ کی صفت کو واضح طور ظاہر کیا۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ اے ملائکہ میں خلیفہ کو ایک بشر کی صورت میں زمین کی مٹی سے جس مٹی کی خاصیت حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ لیس دار کیچڑ کی ہے۔ یعنی وہ مٹی کے جوہر دار قوی مرکب اور لطیف مرکب سے بنے گا۔ یہ مرکب اگرچہ عام مخلوق کے مرکب کے مشابہ ہے۔ لیکن اس میں عام مخلوق کے مقابلہ میں لطیف جواہر ہوں گے۔ اور یہ مرکب اِنسانی شکل (بشر) اختیار کرے گا۔ یہ اِس کا مادی اِرتقا ہو گا۔ پھر اس کا عروج جاری رہے گا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ جب میں اُس کے اعضا مکمل کر کے بشر کی شکل میں ایک چلتا پھرتا جیتا جاگتا انسان بنا دوں گا تو سَوّیٰ سے اِس میں مزید ارتقا و عروج کی صلاحیت پیدا ہو گی۔ اور پھر اِس میں شر و فساد کا مادہ کم کرنے کی قوت بھی پائی جائے گی۔ کہ اپنی قوت کے اِعتبار سے یہ شر و فساد پر مائل نہ ہو گا۔ اگرچہ اِس میں شر و فساد کا مادہ موجود بھی ہو! وہ قوت کیا ہے-؟ عام مخلوق کے مقابلہ میں۔ قوی حواس۔ ذہن، عقل و شعور کی قوی صلاحیت، قلب و شعور اور ارادہ۔ ہاں! یہ تو وہی سِفلی خاصیت ہے۔ جس میں اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِکُ الدِّمَآءَ کا شر موجود ہے۔ اس کی دلیل-؟ یہ کہ مخلوق میں بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو فساد کرتے ہیں۔ مگر کچھ ایسے بھی ہیں جو فساد نہیں کرتے۔ لیکن دیکھنے میں آیا۔ کہ انبیاء اور رسول اور مخلوق میں ایسی مخلوق بھی ہے جو امن و امان و سلامتی کے دعویدار بھی ہیں۔



تو یہ خاصیت سَوّیٰ کی ہے۔ یہی دلیل سَوّیٰ کی ہے۔ اور پھر قرآن نے ایک نازک کیفیت کا حوالہ بھی دیا۔ جو صرف مخلوقِ انسانی سے تعلق رکھتی ہے۔ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ اور اِس میں اپنی رُوح پھونک دی۔ جہاں تک انسانی زندگی کا تعلق ہے اِس کے روزمرّہ اَحوال کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سَوّیٰ سے انسان کی جسمانی ہیئت مکمل ہو جاتی ہے۔ پھر نفخِ روح کی کیا خصوصیت ہے-؟ ہم دیکھتے ہیں کہ دُنیا میں صاحبِ علم۔ صاحبِ کمال ہستیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ جنہیں وہ علم حاصل ہوتا ہے۔ جو عام مخلوق میں ماورئی اور غیب کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ علم-؟ مادی اشیاء کی تحقیق میں کائنات کے اجزاء کی وہ کیفیتیں جو عام انسانی ذہن سے پوشیدہ ہیں یہ ٹھوس ہیئت میں بھی ہیں۔ اور لطیف ہیئت میں بھی ہیں۔ ٹھوس ہیئتوں کا علم محققینِ مادہ کو حاصل ہے۔ اور لطیف ہیئتوں کے علم کے حاملین کو انبیاء و اولیاء سے موسوم کیا جاتا ہے اور پھر وہ علم جو وحی یعنی شعورِ قلبی سے تعلق رکھتا ہے۔ بظاہر اُس کا تعلق عقل یا سَوّیٰ سے نہیں۔ تو پھر اُس کے لئے قلب و شعور کی لطافت ہی کارآمد ہو سکتی ہے۔ اُس علم میں نفخِ رُوح کو ہی دخل ہو سکتا ہے۔ گویا نفخِ رُوح کی خصوصیت صرف علم وحی اور ماورئی اِدراک علم کے لئے ہی مخصوص ہے۔ اِس تاثر کے تابع قرآن کی اِس آیت کا مطالعہ کیا جائے۔ کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ اور ہم نے علم دیا آدم کو تمامی اسماء۔ (اسرارِ الٰہی) کا پھر پیش کیا (مقابلہ کیا) اُوپر ملائکہ کے پس کہا ملائکہ سے خبر دو مجھ کو! اگر تم اپنے قولِ معترض میں سچے ہو! قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ۔ کہا ملائکہ نے

پاک ہے تُو غلطی کرنے اور غلط کہنے سے۔ نہیں ہے واسطے ہمارے کوئی علم مگر تُو جتنا ہمیں دے۔ تحقیق تُو بہتر جاننے والا اور پوشیدہ کیفیتوں کا پانے والا ہے۔ آدم میں رُوح پھُونکنا۔ پھر اُسے عِلمُ الاسماء بتانا۔ پھر ملائکہ کو شامل کر کے اُن سے سوال کرنا۔ ملائکہ کا عاجزی ظاہر کرنا۔ اِس میں کونسی کیفیت ہے جس کا اللہ تعالیٰ کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔؟

اوّل، اعتراض ملائکہ کا۔ پھر خصُوصیت اور نتیجہ تسبیح و حمد کا۔ پھر خصوصیتِ علم۔ ملائکہ کے علم کا کمال۔ پھر اُن کے اِعتراض کی رَدّ۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ۔ اور خلیفہ اور تسبیح و حمد کی خصوصیت۔ کہ ارضی بشر کی خصوصیت کیا ہے۔؟

قُرآن کے اِس دانستہ بیان سے انسان اور خلیفہ کی اصل خصُوصیت واضح ہو جاتی ہے کہ اِس آیت میں صرف علم کو پیش کیا گیا۔ اُدھر انسان میں زائد کیفیت رُوح ڈالی گئی۔ رُوح ایک نوری کیفیت ہے۔ اِس سے سفلی مُرکّب کی خصوصیت بڑھ جاتی ہے۔ وہ خصوصیت کیا ہے۔؟ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ۔ اِس رُوح کے ذریعہ آدم کو اسماء کا علم دیا گیا۔ اَسۡمَآءَ کُلَّهَا میں کیا کیفیت ہے وہ اَنۡۢبِئُوۡنِیۡ بِاَسۡمَآءِ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ملائکہ بھی اَسماء میں شامل ہیں۔ اُن سے خطاب کیا جاتا ہے۔ کہ اگر تمہارا دعویٰ درست ہے۔ کہ تم ہی تسبیح و حمد کے لائق ہو سکتے ہو۔ تو اِس کا نتیجہ علم کی اِنتہا ہونی چاہئے۔ اچھا تم کیفیتِ سمٰوات کی خبر دو۔ بات بھی حق ہے کہ اگر اسماء کُلَّهَا میں صرف زمینی اشیاء (گاجر مولی وغیرہ) ہی شامل ہیں۔ تو اِن کیفیات کے علم میں کچھ خصُوصیت نہیں۔ جبکہ یہ اشیاء آدم کے



مشاہدے میں شب و روز آ سکتی ہیں۔ اور ملائکہ بھی نوری اعتبار سے اُن اشیاء کا علم حاصل کر سکتے ہیں۔ جبکہ اُنہوں نے پیشتر ہی یہ جان لیا۔ کہ اَرض کی مخلوق فساد و خُونریزی کرنے والی ہے۔ پھر اُن کے لئے زمین کی اشیاء کا علم حاصل کرنا مشکل نہیں ہو سکتا۔ ہاں ثُمَّ عَرَضَهُمۡ میں ملائکہ کے اعتراض کی رَدّ اِسی طرح ہو سکتی ہے۔ کہ سفلی مخلوق سفلی حالت میں۔ ملائکہ سے بالاتر تسبیح و علم کا مُظاہرہ کرے۔ اِس کے لئے وہ علم ہی ہو سکتا ہے۔ جو ملائکہ کے اِدراک سے بھی باہر ہو۔ جس علم میں ملائکہ نے عاجزی اِختیار کی کہ ملکوتِ سمٰوات کے تمام علم سے کوئی ملائکہ آگاہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ملائکہ اپنے مقام و ماحول سے ماسویٰ باقی اَسرار سے واقف نہیں تو اب موقع ہے۔ کہ آدم سفلی حالت میں اپنی رُوحانیتِ نفخِ رُوح۔ تسبیح و حمد اور کمالِ علم کا مظاہرہ کرے۔ فَقَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ۔ اے آدم اب تُو اُن کے اَحوال اور تمامی اَسرار بیان کر۔ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ جب آدم نے ملائکہ کو اُن کے تمامی اَحوالِ قوتِ مُشاہدہ و شعور کے ذریعہ بتلا دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ۞ کیا میں نے پہلے نہیں کہا تھا۔ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ۔؟ کہ تمہیں اِس بات کا علم نہیں کہ میں سفلی مخلوق میں سُتُوی کی خصوصیت پیدا کروں گا تو یہ ارادے کے ساتھ خواہ انحراف کرے یا میری طرف آئے گا۔ اور خاص ہو کر میری تسبیح کرے گا۔ پھر اِسے اَسرارِ الٰہی کا مشاہدہ ہو گا اور یہ مجھ تک رسائی حاصل کرے گا۔ یہ کیفیت تمہیں باوجود رُوح اور تسبیح کے حاصل نہ ہو گی۔ اس لئے مَیں نے اِسے خلیفہ کی حیثیت سے زمین پر پیدا کرنا ہے۔ سو آدم اپنے

تمامی کمالِ جسمانی و روحانی کے ساتھ زمین پر پیدا ہُوا۔
آدم کی خصوصیت سوائے اِس کے کچھ نہیں۔ کہ وہ بشر کے اعضاء مرکب میں پیدا کیا گیا۔ اُسے سَوّی کی خصوصیت اور نفخِ رُوح کی خصوصیت حاصل ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف علم و مشاہدہ کے لِئے ہے جس سے انسان کے ذمّہ اُس کی پیدائش کے ساتھ یہی ہے۔ کہ وہ اپنی خصوصیتِ خلافت و نبوت کے ساتھ زمین پر قائم ہے۔ یہ خصوصیت زمین پر اِس نے حاصل نہیں کرنی ہے۔ بلکہ ازل سے ہی اِسے حاصل ہے۔ اِس کے لِئے کوئی عبادت مقرر نہیں۔ سوائے اِس کے کہ وہ اپنے مراتب کو تصوّرِ ذاتِ الٰہی سے ہر لمحہ قائم رکھے۔ یہی کیفیت ہر اُس پیدائش کے لِئے مقرر ہے جو ارض پر بشر کی شکل میں پیدا ہوگی۔ اُسے سَوّی نفخِ رُوح کی خصوصیت حاصل ہو۔ سو یہ شرف ہر انسان کو حاصل ہے۔ جو اولادِ آدم سے زمین پر پیدا ہُوا۔ جس کی دلیل قرآنی آیت اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا۔ سے پیشتری دی گئی ہے۔

انسانی ابتدائی پیدائش ہمیں یہ بتا رہی ہے۔ کہ ہر انسان کو مثلِ آدمؑ۔ بحیثیتِ جسمانی سَوّی۔ اور نفخِ روح حاصل ہوتی ہے۔ یہ کیفیتیں اِس نے پیدائش کے بعد حاصل نہیں کرنی ہیں سو لازمی ہے۔ کہ یہ انسان بھی اِسی ارادہ میں شامل ہے۔ جو اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً میں کیا گیا۔ اِس لِئے لازم ہے کہ ہر انسان کو سَوّی اور نفخِ روح کے اعتبار سے اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی اُس کی روح کو علم الاسماء کا علم عطا کیا جائے گا۔ اِس طرح ہر بشر اپنی خصوصیتِ خلافت و نبوت میں اپنی پیدائش کے ساتھ ہی مکمل ہو کر پیدا ہوتا ہے۔ قرآن نے بشر کی خصوصیت فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ سے ظاہر کر دی۔ کہ اُسے علم و خبر دیا گیا۔ اور اُس نے علم و خبر بتایا۔ اِس لِئے ایسے بشر کو



جو خبر دینے والا۔ خبر پانے والا ہو۔ اپنی پیدائش کے ساتھ ہی خلیفہ و نبی قرار دیا جائے گا اب خلیفہ کی سَوّی کے اعتبار سے یہ ذمّہ داری ہے۔ کہ وہ سمع و بصر اور عقل شعور کے ہوتے ہوئے اپنے اِرادے سے غفلت برتے یا اپنے تصوّرِ ذاتِ الٰہی کو تسبیح و استغراق سے علیٰ حالہٖ قائم رکھے۔ ملائکہ کا قول تو سچ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ خصوصیت کو انسان نے ملحوظ نہ رکھا تو یہ خالص سفلی ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا۔ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا۔ یہ اِس کی سَوّائی خصوصیات ہیں۔ اگر اُنہیں فطرت کے مطابق استعمال نہ کیا تو اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ یہ لوگ پھر خلیفہ کہلانے کے حقدار نہیں۔ صرف مادّی حیوان بلکہ اُن سے بدتر۔ سو ایسے لوگوں نے خواہ مخواہ دنیا پر فساد و خونریزی اور انحراف کرنا ہے۔ ہاں۔ اِن کے لِئے ایک خصوصی رعایت رکھی گئی۔ جب وَلَكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ کی صفت آگئی تو کہا۔ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اِس حال میں میں تم پر احسان کروں گا کہ اِن لوگوں میں ہی بعض کی نبوت و خلافت قائم رہے گی۔ یہ تم جیسے۔ تم میں سے ہوں گے گر مصطفےٰ منتخب ہوں گے۔ تو یہ نبی میری ہدایت کو پیش کریں گے۔ تمہاری اصلاح کریں گے۔ تو جس نے میرے رسول کی میری ہدایت کی پیروی کی وہ از سرِ نو مقامِ خلافت و نبوت حاصل کرے گا۔ کیوں کہ اِس امر میں مقصد صرف یہی ہے۔ کہ تم زمین پر خلیفہ و نبی کی حیثیت سے رہو۔ اِس سے کم کچھ نہیں۔ اِسو زمین پر نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ آلِ ابراہیمؑ۔ میں انبیاء بنی اسرائیل اور نبی اسرائیل کے آخری نبی عیسےٰ اور اُن تمام انبیاء کی تصدیق و مہر کرنے والے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہو گا۔ جو آخری نبی آخری رسول ہوگا۔

جو مخلوق کو نبی بنانے والا ہو گا۔ اُس کے بعد مخلوق کو کسی نبی رسول کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ آپ کے بعد میری ہدایت قیامت تک باقی رہے گی۔ آپ کا عمل (اسوہ حسنہ) قیامت تک باقی رہے گا۔ اور سب سے اہم کیفیت۔ خلفاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ میں پائے جائیں گے۔ جو میری ہدایت کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ اُن میں خلیفہ و نبی بے شمار پائے جائیں گے جن سے علمِ نبوت ہر زمانہ میں ہر انسان کو میسّر ہو سکے گا۔ لہٰذا وقت کے ہر خلیفۂ رسول۔ خلیفۂ ارض۔ نبی و ولی کی تابعداری لازم ہو گی۔

زمانہ میں جب انسان نے تصوّرِ ذاتِ الٰہی میں حصولِ دُنیا کے تصورات کو شامل کر لیا تو رفتہ رفتہ یہ تصوّر مُستقل صُورت اختیار کر گیا۔ اور انسان اِس خبر سے قطعی لاعلم ہو گیا کہ انسان کی خصوصیت کیا ہے اور اسے قدرت نے کون سی نعمت عطا کی ہے؟

اس لیئے انسان کو موقع فراہم نہ ہو سکا کہ وہ اپنی ذات سے ہی اپنی قوت دوبارہ حاصل کرے۔ اس لیئے قدرت نے انبیاء و رسل اور اولیاء کا وجود پیدا کیا۔ جن کے پاس مکمل ضابطہ ہدایت ہے۔ اِس میں احکام ہیں جن پر عمل کر کے انسان میں خصوصیاتِ خلافت اَز سرِ نو تازہ ہوتی ہیں۔ اِس میں مُتشابہات ہیں جن میں اَسرار و اسمائے حق کے آثار موجود ہیں۔ یہی کیفیت ایک ولی سے حاصل ہوتی ہے اور ایک ولی اِن تمام آثار و اسرار سے آگاہ ہوتا ہے۔ یہ سب کیفیتیں ہدایت (ھدیٰ) میں شامل ہیں۔ اِنہیں اَسرار کو اولیاء نے (مُتشابہات کی صورت میں) انسانی علم کی آگاہی کے لیئے تحریری صورت میں قلمبند کیا ہے۔ جنہیں منازل و مراتب سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس لیئے اب اِن آثار و اسرار کو منازلِ فقر کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔



## منزلِ اوّل کہ آید آں پدید
## مجلسِ احمدؐ بداں تو اے فرید

طالبِ حق کو علمُ الاسماء کی مَعرفت میں، صراطُ اللہ کی راہ میں جو پہلی منزل پیش آتی ہے اُس کی کیفیت ایک اَجلاسِ نوری کی ہے۔ اِسے اجلاسِ محمدیؐ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ مقام ظاہری روضہ مدینہ منورہ کا ہے۔ اور اِس کے باطن میں روضہ مطہرہ کے اندر ایک اَجلاس نظر آتا ہے۔

هست آں مجلس زِ نُورِ پاکِ اُو
مثلِ یک عالَم مُنوّر شمس رُو

یہ مجلس تمثیلی شکل ہے نورِ محمدیؐ کی۔ ایک روشن عَالَم ہے۔ جس میں روضہ مدینہ منورہ کا مُقام نظر آتا ہے۔ جب سالک اِس مقام میں پہنچتا ہے۔ اُس وقت اُس کا جذب پیرِ اکمل کے وسیلہ سے نورِ محمدیؐ میں ہوتا ہے۔ اِس جذب کی کیفیت ایک مجلس کی صورت میں محسوس ہوتی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ہیئت نظر آتی ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ اِس عَالَمِ مادّی کے ساتھ ایک باطنی عَالَم بھی ہے۔ اِس کی ابتداء اِسی مادّی عَالَم سے ہی ہوتی ہے۔ اس لیئے اِس باطنی عَالَم کو عَالَمِ ناس کہا جاتا ہے۔ (یعنی لوگوں کے مقام کا عَالَم) اِس کیفیت کو طریقت کی اصطلاح میں "عالَمِ ناسوت" کہتے ہیں۔ عالَمِ ناسوت کی سالکانِ طریقت نے اکتالیس منزلیں بتائی ہیں اِسکی ابتدائی منزل کی کیفیت یہ ہے۔ کہ باطن میں یہ منزل ایک روشن عَالَم کی طرح محسوس ہوتی ہے جب یہ روشنی ایک مُبتدی طالبِ حقیقت کے مشاہدے میں آتے۔ اگر اپنی عقل تاویل

کرے۔ تو لاعلمی کے باعث وہ اِس نور کو اللہ تصور کرے گا۔ مگر یہ نور ابتدائی نور ہوتا ہے۔ اگر اِس نور کا ظہور دُنیا پر ہو جائے تو تمام عالَم کی روشنی اِس نور میں جذب ہو کر ماند پڑ جائے۔ جب سالک اِس نور کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے۔ تو اُس پر دُنیوی غیب کا کشف ظاہر ہو جاتا ہے۔ دلوں کے حال۔ غیب کے خزانے۔ قبروں کا حال۔ مُردوں کے حالات سے آگاہی ہو جاتی ہے۔ اِس کی نظرِ باطنی مشرق میں بیٹھ کر مغرب تک ہر چیز کا مشاہدہ کر لیتی ہے۔ اگر سالک اِن مقامات کے مشاہدے کے ساتھ۔ تزکیہ و مجاہدہ (نفس کشی۔ فاقہ۔ شب بیداری) جاری رکھے تو اُس کا وجود تحلیل ہو کر لطیف ہو جاتا ہے۔ پھر ایسے بھی مقامات ہیں جہاں انسان کی جسمانی سُوئی میں اِس قدر لطافت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کی روحِ حیوانی بھی لطیف و قوی ہو کر اُس کی جسمانی ہیئت کو لطیف بنا دیتی ہے۔ جس سے سالک رُوح کی مانند ایک آن میں مشرق سے مغرب تک جسمانی طور پر نقلِ مکانی کرنے لگ جاتا ہے۔ اور اِس سے عام کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ مثلاً بیماروں کا دم سے اچھا کرنا۔ خشک درخت کا سرسبز ہو جانا۔ دریا کا بہتے بہتے رُک جانا۔ پانی پر چلنا۔ پتھر کا سونا بن جانا۔ ہوا میں اُڑنا وغیرہ۔ اگر اِس کی سُوئی میں انتہائی قوت پائی جائے تو ایسے سالک کا مُردے زندہ کرنا بھی اِس قوت میں شامل ہے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ نے خلیفۃ الارض کی خصوصیت اور جسمانی مرکب میں یہ خاصیتیں خود وُدیعت کر دی ہیں۔ ایسی کرامات عطیۂ الٰہی اور انسانی خصوصیات میں شمار ہیں۔ یہ خصوصیات اِن سے بالاتر ہیں۔ ایسی کرامات سے انسان کا درجہ انسان ہی رہتا ہے۔ اللہ نہیں بنتا۔ کیونکہ یہ کیفیتیں مخلوق سے تعلق رکھتی ہیں۔ اللہ کی قدرتِ کاملہ اور اُس کی ذاتِ معبود اِن



قوتوں سے بالاتر اور عظیم تر ہے۔ ایسی کیفیات مُبالغہ تصور نہیں کی جاسکتیں۔ کہ انسان ایسا کرنے پر قادر نہیں۔ ماسوائے ذاتِ باری کے ایسا کرنا کسی غیر خالق سے ممکن نہیں۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو کس حیثیت میں پیدا کیا؟ اور اُس کی خصُوصیات کیا ہیں۔ اگر انسان اپنی تمامی خصُوصیات میں سالم ہے تو اُس کے لیے ایسا ہونا ممکن ہے۔

سالک شریعت کی حدود کے اندر چلنے والا ہوتا ہے۔ تو اُس کا فعل احسن تصوّر کیا جاتا ہے۔ لیکن ایسی مافوق الفطرت کیفیات کے لیے دین کی حد بھی مقرر نہیں صرف جسمانی حیثیت میں اگر ایک شخص تزکیہ و مجاہدہ کرے یعنی روزمرہ زندگی کے افعال میں پابندی کرے۔ وہ پابندی یہ ہے۔ کہ فاقہ کرنا۔ رات کو جاگنا اور جسم پر محنت ڈالنا۔ یکسوئی کرنا۔ اِن عادتوں سے ہر انسان کا جسم بلا تمیز مذہب و ملت لطیف ہو جاتا ہے وہ کسی مذہب سے تعلق نہ رکھنے والا ہو۔ صرف انسان کی حیثیت سے اپنے جسم پر محنت ڈال کر تزکیہ حاصل کر لیتا ہے۔ ایسے شخص سے مافوق الفطرت واقعات کا صدور ہو سکتا ہے اور جو شخص عالمِ ناسوت کی منازل میں شریعت کی حدود کے اندر رہ کر تزکیہ و مجاہدہ کرے۔ اُسے بھی یہ کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ ایسا شخص عامل کہلاتا ہے ایسے شخص کو جو عالمِ ناسوت کی منازل میں ہو۔ اور تمام مافوق الفطرت واقعات کا اُس سے ظہور ہوتا ہو۔ اُسے ولی نہیں کہا جاتا۔ بلکہ عامل۔ وہ اس لیے کہ عالمِ ناسوت کا مقام ولایتِ کبریٰ میں شامل نہیں۔ اور یہ مقام ہر شرعی اور غیر شرعی کو حاصل ہوتا ہے۔ ان مقامات کی سیر ایک غیر اسلامی شخص بھی کر سکتا ہے۔ اِس میں صرف جسمانی تزکیہ شرط ہے جس کے لیے شریعت کی پابندی نہیں۔ ایسا شخص جو بغیر شریعت اِن مقامات کی سیر

کرتا ہے۔ وہ روحِ حیوانی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ ایسا شخص اِستدراجی (یا شیطانی) ہوتا ہے۔ ایسے شخص کا مقصود صرف دُنیوی اقتدار ہوتا ہے وہ مقصودِ حقیقی سے خالی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کی بنیاد دین سے نہیں۔ بلکہ بے دینی سے ہے۔ اس لیئے اُس کا فعل شیطانی کہلاتا ہے۔ اور جو شخص سالک کی حیثیت سے عالمِ ناسوت کی سیر کرتا ہے۔ وہ بھی اِسی حال میں ہوتا ہے کہ اُس کی رُوحِ حیوانی اِس عالم میں سیر کرتی ہے۔ البتہ دین پر عامل ہونے کی وجہ سے اُس کا تعلق رُوحِ رحمانی سے بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کا مقصود معرفتِ الٰہی ہوتا ہے۔ اِس لیے جب تک سالک اِن منازل میں ہو۔ عالمِ باشریعت کہلاتا ہے۔ لیکن ولی نہیں۔ البتہ فقیری کے زُمرہ میں مستحقِ ولایت قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے۔ کہ عامل درود خواں ہو۔ دُرود پڑھتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری توجہ رَوضہ مدینہ منورہ سے اُس کی روح پر طاری ہوتی ہے۔ اور سالک صاحبِ مشاہدہ اِس توجہ کو دیکھ لیتا ہے۔ یہی کیفیت زیارتِ رسُول میں محسوس ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ انسانی وجود دو رُوحوں کا مرکب ہے۔ ایک رُوحِ حیوانی۔ دوسری رُوحِ رحمانی۔ حیوانی سے مراد حیاتی۔ اور حیاتی سے مُراد حرکت میں محسوس ہونے والی یا جسمانی ہیئت میں محسوس ہونے والی۔ یہی رُوح اپنی لطیف ہیئت میں مادہ سے جسم حاصل کر کے جسمانی اور حرکت میں محسوس ہونے والی بن جاتی ہے۔ اِس کا تعلق خون اور مادۂ منویہ (منی) سے ہوتا ہے۔ اِس کی بنیاد مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ صُلْبِ وَتَرَائِبِ ہ لطیف پانی (منی) سے ہے جو نکلتا ہے۔ مرد کی پیٹھ اور عورت کی چھاتی سے۔ اِس مادۂ منویہ میں ایک لطیف رُوح ہے۔ جو انسان کی زندگی کا سبب ہے۔ یہی رُوح انسان کو زندہ رکھتی ہے۔ یہی رُوح ہے جو مادی غذا حاصل



کر کے ٹھوس حالت میں آ کر مُتحرِک محسوس ہوتی ہے۔ اس لیئے اِسے متحرِک رُوح۔ جسم میں آنے والی رُوح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اِس رُوح میں زبردست قوت ہوتی ہے جو عالمِ باطنی کی کیفیات کا اَدراک کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور یہ رُوح چونکہ انسانی ہے۔ اس لیئے ہر انسان اِسی رُوح سے پیدا ہوتا ہے۔ اور انسانی ہیئت کے اعتبار سے ہی ہر شخص بغیر پابندیِ شریعت اِس سے اَدراک کر سکتا ہے۔ لیکن یہ رُوح عالمِ ناسوت کی حد تک ہی پرواز کر سکتی ہے۔ البتہ اِس مشاہدہ میں مُسلم اور غیر مُسلم کا یہ فرق ضرور ہے کہ غیر مسلم کی رُوحِ حیوانی عالمِ ناسوت میں پرواز کرتی ہے۔ اور مُسلم کی دونوں رُوحیں (رُوحِ حیوانی اور رُوحِ رحمانی) اِس عالم کا مُشاہدہ کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ عالمِ ناسوت کی اکتالیسویں منزل دونوں رُوحیں طے کر لیتی ہیں۔ اکتالیسویں منزل کے بعد عالمِ ملکوت کا مُقام ہے۔ یہ مُقام خالص ملکوتی نُوری ہے۔ یہاں رُوحِ حیوانی کا دخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیئے اِس مقام میں رُوحِ رحمانی داخل ہوتی ہے۔

عالمِ ملکوت بھی ایک رُوحانی (باطنی) مقام ہے۔ اِس کی پہلی منزل کا پہلا باب (دروازہ) اَجلاسِ محمدی سے شروع ہوتا ہے۔ اس لیئے ایک اِستدراجی شخص اِس باب میں رُوحِ حیوانی کے ذریعہ داخل نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ دینِ محمدی کی شریعت پر پورا عامل نہ ہو۔ اور ایک باشرع عامل اِس باب (عالمِ ملکوت) میں اَجلاسِ محمدی میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں تک ایک عامل اپنے ذاتی تزکیہ و مجاہدہ سے بھی پہنچ سکتا ہے۔ لیکن عالمِ ناسوت کی منازل میں ایسی کیفیات پائی جاتی ہیں۔ جن کی فہم انسانی عقل سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیئے اِن منازل میں ایک پیرِ اکمل کی راہنمائی ضروری ہے۔ ورنہ انسان اپنی عقل تاویل اور ذاتی قوت کے عُروج کے زُعم میں۔ ایک تو کیفیات کی غلط

تاویل کر جاتا ہے۔ دُوسرا اپنے زُعم کی بدولت لاعلمی میں وہ دعوائے مہدیت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ اُس کا تعلق دنیا سے بھی قائم ہوتا ہے۔ اِس لئے اُس کا سارا علم اور قوت دُنیوی حصُول اور اقتدار پر صرف ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ جب ایسا انسان اپنی عقلی تاویلات کو اِس علم میں داخل کرتا ہے۔ تو اُس سے غلط علم اور فتنہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے اِس وجہ سے اُس کی روحانیت بھی شیطنت میں ملوّث ہو جاتی ہے۔ اور آخر اس کا نتیجہ گمراہی ہوتا ہے۔

دُنیا میں مہدیت اور مجددیت کے دعوے کرنے والے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جنہوں نے ایک طرف علمِ ظاہری کی تحصیل کی اور دُوسری طرف مجاہدہ و تزکیہ اِس حد تک کیا کہ اُن پر عالمِ ناسوت کے حالات منکشف ہونے لگے۔ اِن مکاشفات میں ایسی بھی کیفیات اُن پر طاری ہوئیں کہ اُنہوں نے جذب کی حالت میں ایسے لطائف کا مشاہدہ کیا جن میں اُنہیں عیسیٰ و مہدی ہونے کا دھوکہ لگا۔ اور انہوں نے کہا کہ أَنَا عِيسَىٰ۔ أَنَا مَهْدِيٌّ۔ میں عیسےٰ ہوں۔ میں مہدی ہوں۔ اِس میں شک نہیں ایسے مقامات عالمِ ناسوت میں آتے ہیں۔ لیکن یہ مقامات ولایت میں شامل نہیں اس لئے یہ مقامِ مہدیت و عیسائیت یا مجددیت بوجہ لاعلمی کے قبول کئے جاتے ہیں۔ اِس کی اصل یہی ہے۔ کہ ایسے عالم بغیر پیرِ اکمل اپنی عقلی تاویلات میں اُلجھ کر اصل راہ سے ہٹ جاتے ہیں۔

ایک باشرع عامل کے لئے ضروری ہے۔ کہ ایسے مقام پر کسی کامل راہنما کی بیعت حاصل کرے۔ اِس طرح ایک عامل عالمِ ناسوت کی منازل طے کر کے پیرِ اکمل کے واسطے سے اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر ولی کامل بن جاتا ہے۔ جب ایک عامل



اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہوتا ہے۔ تو وہ اِس مقام کو روحِ رحمانی کے ذریعہ مشاہدہ میں لاتا ہے۔ اِس کا طریق یہ ہے۔ کہ عامل ابتداءً تصورِ شیخ کرتا ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ پیرِ اکمل تمام مراتبِ عرفان طے کر چکا ہوتا ہے۔ اور اُسے فنائے روحِ محمدیؐ حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ پیرِ اکمل کو نورِ محمدیؐ میں جذب حاصل ہوتا ہے۔ اِس لئے تصورِ شیخ کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ کہ طالب کی رُوح پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت حاصل کر کے نورِ محمدیؐ میں داخل ہو۔ اِس میں طالب کا ابتدائی مقصد صرف عمل ہی نہیں۔ بلکہ زیارتِ رسولؐ ہوتا ہے۔ اِس لئے یہ مقام پیرِ اکمل کی رُوح سے نسبت قائم کرنے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ یعنی معنی و مقصد تصورِ شیخ سے ہے۔ چونکہ طالب ابتداءً احکامِ شریعت پر ہی عامل ہوتا ہے۔ اور اُس کا مقصود معرفتِ الٰہی ہی ہوتا ہے۔ معرفتِ الٰہی بالمشاہدہ عرفان سے حاصل ہوتی ہے۔ جس کے لئے پیرِ اکمل وہ طریق بتاتا ہے۔ جو شریعت کے اندر ہو۔ اِس میں زائد طریقِ طریقت رُوح کی رُوح سے نسبت حاصل کرنے کے لئے تصورِ شیخ بتایا جاتا ہے۔ کیونکہ معرفتِ الٰہی میں رُوح کے ذریعہ ہی مشاہدہ و عرفان حاصل ہو سکتا ہے۔ جس کے لئے تصورِ شیخ ضروری ہوتا ہے تصورِ شیخ صرف مشاہدہ کے لئے ہے۔ کہ بغیر تصورِ شیخ طالب نورِ محمدیؐ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جب نسبتِ شیخ کو قائم نہ کیا گیا۔ تو معرفت میں کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ اِسلئے طالب کے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ ایسے ولی کی طرف رجوع کرے۔ جس ولی کو اجلاسِ محمدیؐ سے ولایت کی سند حاصل ہو۔ ورنہ باوجود صاحبِ کرامت ہونے کے بھی ایک غیر سند یافتہ عامل سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ کرامات کا ہونا ولایت کی شرط نہیں۔ تاوقتیکہ ایک ولی۔ عالمِ ملکوت میں داخل ہو کر ذاتِ باری تعالیٰ کا عرفان و

مشاہدہ حاصل نہ کئے ہو۔ لہٰذا ہر طالب کا اوّلین فرض یہ ہے کہ ایک ولیِ اکمل کی بیعت کرے۔ اور اپنا ابتدائی مطالبہ پیرِ اکمل کے سامنے زیارتِ رسولؐ رکھے۔ سو جو شخص زیارتِ رسولؐ کرانے کا دعویدار نہیں وہ قابلِ بیعت و راہ نمائی نہیں ہو سکتا۔ کوئی شخص یہ جان نہیں سکتا کہ ایک وِلایت کا دعویدار ولی ہے کہ نہیں۔ لیکن اِس کی آسان کسوٹی یہ ہے۔ کہ اِس کے دعوے کی دلیل میں اُس کے (عام نہیں تو خاص) مریدوں میں ولیِ کامل ہونے چاہئیں۔ اور اُس کے مریدوں میں اکثر ولیِ کامل ہوں۔ جنہیں زیارتِ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم حاصل ہو چکی ہو یہ زیارت خواب میں بالارادہ ہو تو بہتر۔ اور بیداری کی حالت میں ہو تو ایسے شخص کی وَلایت پر کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ ورنہ اگر پیر صاحب مَصلحت اور ہیرا پھیری میں بات بنا کر ایسی کیفیت کو رازِ سربستہ سے تعبیر دے تو سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ایسا شخص خود ولی کامل نہیں بلکہ اپنی ساکھ مصنوعی فقیری سے قائم کر رہا ہے۔ ایسے پیر سڑک کے چوراہے پر بیٹھے ملتے ہیں۔ جن پر فقیری کا سیاہ و سفید لبادہ چڑھا ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جھونپڑیوں میں بھی ملتے ہیں جنہوں نے دُنیا سے تعلّق قطع کر کے بدن پر خاک مل ہوتی ہے۔ لیکن ہر شام اُن کے مُصلّے دریوں سے پُر اور شب وروز لوگوں کا ہجوم اُن سے دُنیاوی حاجات مانگتا رہتا ہے۔ ایسے لوگ گدّیوں اور خانقاہوں میں بھی ملتے ہیں۔ جنہوں نے لنگر چلائے ہوتے ہیں اور بزرگوں کے عُرس دُھوم دھام سے مناتے ہیں۔ لاکھوں بندگانِ خدا اُن کے آستانے پر سَر گشتے ہیں اور دُنیا کی حاجتیں مانگتے ہیں۔ ایسے ولی کروڑوں کی جائیداد کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ پکی اینٹوں کی عمارتوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ جن کے آستانہ پر صرف اُمراء و رؤسا کی رَسائی ہوتی ہے۔ اور غریب



اِن کی محفلوں میں خلل پیدا کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے یہ لوگ بھی رؤسا کی حاجت روائی کرتے ہیں۔ اُن کے پاس نمبروار کمرے مقرر ہوتے ہیں۔ اُن میں اعلےٰ طبقہ کے امیروں کے لیے نرم گدیلے۔ صوفے اور قالینوں کا فرش مہیا کیا جاتا ہے۔ اُن کے لیئے ولایتی طرز کی چائے، کیک۔ مُرغ پلاؤ پیر صاحب کے گھر سے حاضر کیا جاتا ہے۔ یہی لوگ خاص الخاص میں شمار ہیں۔ دوسرا نمبر کمرہ۔ عام دفتری اور درمیانہ طبقہ کے لوگوں کے لیئے ہوتا ہے جنہیں گوشت روٹی ملتی ہے۔ اور تیسرے نمبر کا کمرہ۔ غریب مفلوکُ الحال اور سادہ لوح لوگوں کے لیئے ہوتا ہے۔ جنہیں بِن بگھاری دال اور جلی روٹی عنایت کی جاتی ہے یہ مدارج دولت اور شُہرت کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اور چوتھا درجہ خالص صُوفیاء کا ہوتا ہے۔ اُن کا مقام خلوتِ خاص یا مسجد کا حُجرہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ چوبیس گھنٹے کے حاضر باش خُدام ہوتے ہیں۔ اُنہیں یہاں آسانی سے پیٹ پالنے کا سامان حاصل ہوتا ہے۔ اُن میں ہر فرد بزعمِ خود چند کلمات پڑھنے۔ یا رات جاگنے یا گھر کی نوکری کرنے سے اپنے آپ کو ولی سمجھنے لگتا ہے۔ یہ لوگ کچھ خالص نیّت کے بھی ہوتے ہیں۔ لیکن علم نہ ہونے کی وجہ سے اکثر غلط فہمی میں مُبتلا ہوتے ہیں۔ اِس لیئے اُن کا وہم اور ناقص علم پیر کی ادنیٰ بات اور فعل کو بھی مُعجزہ اور کرامت سمجھ کر پیر کی عظمت کا قائل کرا دیتا ہے۔ اُنہیں سوائے شب و روز کی نوکری اور دو وقت کی روٹی کے اور کچھ وَلایت حاصل نہیں ہوتی۔ لیکن پھر بھی عقیدت میں پیر پر جان قُربان کرنے پر تیار ہوتے ہیں۔ لیکن نہیں جانتے کہ پیر خود وہم سے خلوص استعمال نہیں کر رہا۔ باقی لوگ صرف دنیوی حاجت روائی کی خاطر یا آفات و مصائب سے محفوظ رہنے کی غرض سے بیعت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حاضری یا بیعت ہی اُن کی ولایت کی سند قرار دی جاتی ہے۔ چاہے وہ شریعت کی

تابعداری کو لازم سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اور اصل یہ سب ایک پیر کی لذتِ نفس اور دُنیوی حصول کی ہوس اور مُریدوں کی علمِ طریقت و شریعت سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔

بعض اولیاء گدی نشین گدیوں کے مالک ہوتے ہیں۔ اُنھوں نے ایک صاحبِ کمال ولی کے مقبرہ اور اُس کی فتوحات (نذرونیاز) وراثت میں حاصل کی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ ابتداءً ایک ولی کی اولاد "صاحبزادہ صاحب" کہلاتے ہیں اور مُرید انہیں عقیدت کی بنا پر عزت کی ہوا پر کندھوں سے اُوپر اچھالتے رہتے ہیں۔ اُن کے لیے محبت کی بنا پر اچھی اچھی چیزیں بطور نذر پیر کی نسبت کی بنا پر مہیا کی جاتی ہیں۔ اس طرح صاحبزادہ صاحب میں ابتدائی عمر میں عزت افزائی اور نذر کے حصول کی عادت پڑ جاتی ہے جس وجہ سے صاحبزادہ صاحب میں خاندانی یا جدّی ملکۂ ولایت کے حصول کی اصل جستجو نہیں پائی جاتی۔ آخر صاحبزادہ صاحب بڑے ہو کر اپنے فن میں مہارت حاصل کر جاتے ہیں۔ انہیں مُریدوں کی عزت افزائی کے لیے اپنے آپ کو ولی کی ہیئت دینی پڑتی ہے جس سے اُن میں تصنع اور بناوٹ کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔

آخر ایک ولی کے فوت ہونے پر ولایت کی وراثت تو کسی مستحق شخص کے ہاتھ اُس گھر سے کسی اور گھر کی طرف چلی جاتی ہے۔ وراثت میں باقی رہ جاتا ہے۔ بقیہ خانگی جائیداد اور فتوحات اور کچھ مُرید۔ اِن چیزوں پر اولاد میں تقسیم کا جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ آخر ہر فرزند تقسیم جائداد کے بعد ایک غیر معلوم ولایت کا دعویدار ہو کر اپنی علیحدہ گدی بنا لیتا ہے۔ اور مُرید بھی بکریوں کی مانند تقسیم ہوتے ہیں۔ چیلے زادگان مستقل ولایت کے مقام پر بیٹھ کر بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری کرتے ہیں۔ لطف یہ کہ اُن کی ولایت اتنی کامیاب رہتی ہے۔ کہ سالانہ عُرس پر لاکھوں مُریدوں کا اجتماع



ہوتا ہے۔ لنگر چلتے ہیں اور ہجوم کی حالت یہ ہوتی ہے۔ کہ جذبۂ شوق میں عورت مرد کی تمیز باقی نہیں رہتی۔ ایسے اژدہام میں کسی کی پگڑی گم۔ کسی کا جوتا گم۔ کسی کا بچہ گم۔ اور حبیب بمعہ نیاز غائب۔ عُرس انتہائی جذبہ سے منایا جاتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ لاکھوں مُریدوں میں کتنے ایسے مُرید ہیں۔ جنہیں ایسے ولی صاحب نے اجلاسِ محمدیؐ میں زیارتِ رسولؐ سے مُشرف کرایا یہ تو راز ہے۔ یا یہ بات وہی جان سکتے ہیں۔ جنہوں نے گدی پر بیٹھ کر ولایت کا دعوے کیا ہم اِس کا کوئی فیصلہ نہیں دے سکتے۔

کہ اِن کا کردار کہاں تک حقیقت پر مبنی ہے اور ایسے ولی بھی پائے جاتے ہیں جو بظاہر نورانی چہرے والے۔ صاحبِ علم۔ قرآن و حدیث پر عبور رکھنے والے بظاہر صاحبِ شریعت۔ اُن کے مسائل قرآن و حدیث کی روشنی میں ہوتے ہیں۔ لیکن کہا نہیں جا سکتا۔ کہ آیا انہیں خود بھی اجلاسِ محمدیؐ کی ابتدائی منزل تک رسائی حاصل ہے یا نہیں کیونکہ ایسے ولی بھی بیعت کرتے ہیں اور اُن کے مُریدوں میں بھی اعلےٰ طبقہ کے لوگ اُن کے آستانہ پر جبّہ سائی کرتے ہیں۔ اُن کے کمالات کو بھی شہرت دی جاتی ہے۔

ہزاروں مُرید اُن کے خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن معلوم نہیں اُن کے مُریدوں میں کتنوں کو زیارتِ رسولؐ اور اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ یا انتہائی عرفان و مشاہدہ میں ولی کامل کا درجہ حاصل ہے۔ الحاصل ولی اکمل صاحبِ بیعت و ارشاد وہی ہو سکتا ہے جس کا دعویٰ انتہائی عرفان و بقا کا ہو۔ اور ولی کامل وہی ہو سکتا ہے جسے اوّل اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اِس تمام کی کیفیت۔

اندر آں نورِ منوّر آں جہاں
یک از چشمِ حسد باشد نہاں

اِس نورِ محمدیؐ میں ایک جہاں محسوس ہوتا ہے۔ یہ مقام متشابہات سے

تعلق رکھتا ہے۔ ایسے مقام کو عقلی طور پر محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ جب تک کہ شعورِ قلبی سے اسے مشاہدہ میں نہ لایا جائے۔ لیکن یہ مقام حاسد کسی طرح بھی پا نہیں سکتا جبکہ اس کا عقیدہ اس کیفیت کی حقیقت پر جتا ہی نہیں۔ کہ ہر چیز قرآن وحدیث سے ثابت نہیں تو یہ کیسے باور کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور انکا اجلاس ہے۔

یک طرف اقطاب صف بستہ شوند
جانبِ دیگر بداں غوث ہا بوند

اس مجلس میں صدر نشین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اور آپؐ کے ایک طرف صف بستہ قطب بیٹھے ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف غوث (رجلہ اولیائے وقت) بیٹھے ہوتے ہیں۔

ایں چنیں ہریک ولی بر قدرِ خویش
صف زدہ کردہ نگوں سر را بہ پیش

اسی طرح ہر ولی حسبِ مراتب سرنگوں دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی اپنی صف میں حاضر رہتا ہے۔

گر حقیقت کُل بیارم در بیاں
رازِ فقرِ محمدؐ گردد عیاں

اگر میں اِس مجلس کی تمام حقیقت بیان کروں۔ تو احتمال ہے کہ فقر کے تمام راز ظاہر ہو جائیں۔

یک ایں مجلس کہ مخزنِ راز ہست
باید از گفتن زباں را کرد پست



لیکن یہ مجلس اسرار کا خزانہ ہے۔ ایسے مقام پر زبان کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔

منزلِ دوئم کہ دریائے توحید
ہست آں منزل بوصلِ حق کلید

دوسری منزل فقر کی دریائے توحید ہے۔ گویا یہ منزل عرفانِ الٰہی کی کنجی ہے، دریائے توحید کا مقام بیت اللہ ہے۔

سالک جب صراطِ مستقیم پر راہ روی کرتا ہے۔ تو اُسکے تصور میں پیرِ اکمل عالمِ باطن میں نظر آتا ہے پیرِ اکمل روضۂ مدینۂ منورہ کے دروازہ پر ہوتا ہے۔ اور وہ طالب کو روضۂ مبارک کے اندر داخل کرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طالب کو ولایت کی سند عطا فرماتے ہیں اور اس طالب کو دربارِ محمدیؐ میں جگہ مل جاتی ہے۔ اور طالب جس وقت چاہے اسی طرح تصور (مراقبہ) کے ساتھ حاضرِ مجلس ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں چار سلسلوں (طریقوں) کے ولی پائے گئے ہیں۔ جن میں قادری چشتی نقشبندی۔ سہروردی ہیں۔ اس سلسلہ کے لوگوں میں جنہیں یہ مقام حاصل ہو۔ اجلاسِ محمدیؐ میں حاضری دیتے ہیں۔ اُن میں اکثر فقراء خواب میں مشاہدہ کرتے ہیں اور سب حالات خواب میں دیکھتے ہیں اور نقشبندی قادری بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ سوائے قادری طریقہ کے اولیاء کے دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہونے کیلئے ہر سلسلہ کے ولی کو اجازت لینا ہوتی ہے۔ ورنہ اپنی مرضی سے داخل نہیں ہوسکتے۔ قادری سلسلہ کے ولی بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اُنہیں ہر وقت اجازت داخلہ کی ہوتی ہے۔ اور اویسی سلسلہ کے ولی بھی بیداری میں مشاہدہ کرتے ہیں۔ اُن میں خصوصیت

یہ ہے۔ کہ بہت کم مجاہدہ میں براہِ راست اکتالیس منزلوں سے پھلانگ کر پہلے قدم میں اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہوتے ہیں۔ انہیں عالمِ ناسوت کی ان منزلوں میں سے گزرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور دوسری خصوصیت اِس سلسلہ کی یہ ہے کہ طالب بغیر مجاہدہ و تزکیہ پہلی مجلس میں ہی ابھی تعداد وظیفہ بھی پوری نہیں ہوتی۔ کہ اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو کر زیارتِ رسولؐ سے مُشرف ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑی خصوصیت یہ کہ ایسے مُنتہی ولی کو بھی اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ جب چاہے چوبیس گھنٹہ میں لمحہ لمحہ بار بار اجلاس میں حاضر ہو سکتا ہے۔ اُسے کوئی روک نہیں سکتا نہ اُس کے لیے کسی اجازت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اوّل اجلاسِ محمدیؐ کے بعد تصوّرِ شیخ کے ساتھ تصوّرِ بیتُ اللہ کرنا ہوتا ہے۔ تو دوسری منزلِ فقر میں دریائے توحید نظر آتا ہے۔ دریائے توحید بیتُ اللہ کا باطن ہے۔ یعنی منزلِ دوم میں جب تصوّرِ شیخ کے ساتھ تصوّرِ بیتُ اللہ کیا جائے۔ تو عالمِ باطن میں سالک بیتُ اللہ کی جگہ ایک عظیم الشان نوری دریا کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اِسے دریائے توحید کہتے ہیں۔ اِس دریائے توحید میں بے شمار کشتیاں پھرتی نظر آتی ہیں۔ یہ کشتیاں اُن اولیاء کے تمثیلی وجود ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالےٰ کے وحدتِ وجود کو پالیا۔ اور وہ اِس نورِ وحدت میں ہمیشہ سیر کرتے ہیں۔ اِس دریائے توحید میں ایک عظیم الشان سنہری کشتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ مقدس کی تمثیلی شکل ہوتی ہے۔ اِس کشتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اجلاس اسی طرح نظر آتا ہے۔ جس طرح اوّل اجلاسِ محمدیؐ اس اجلاس میں داخل ہونے کا طریق یہ ہے کہ جب سالک تصوّرِ بیتُ اللہ کرتا ہے۔ تو اپنے آپ کو پیرِ اکمل کی ہمراہی میں دریائے توحید کے کنارے پر پاتا ہے۔ تو پیر طالب



کو اِس کشتی میں سوار کر کے دوم اجلاسِ محمدیؐ میں داخل کرتا ہے۔ یہاں پر تمام اقطاب جمع ہوتے ہیں۔ اِسی جگہ پر اقطاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احکام ملتے ہیں۔ یہ احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اِن احکام میں دُنیوی نظام سے متعلق احکام بھی ہوتے ہیں۔ جو لَیْلَۃُ الْبَرَاءَۃ میں بارگاہِ الٰہی سے۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوم پر مقرر ہو کر پہنچتے ہیں۔

حٰمٓ ۚ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ ۱ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۙ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۙ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ (پارہ -- ۲۵ - سورہ ۴۴ - آیت اوّل)

---

۱؎ لیلۃ مبارکہ۔ یہ رات مدتوں سے بحث میں آتی رہی۔ اور اِس پر مفسّرین کے مختلف آراء و اقوال منقول کیے گئے ہیں۔ کہا نہیں جا سکتا کہ اِس اختلاف کا باعث کیا ہے؟ جبکہ ہر مفسّر ایک مسئلہ پر اپنا آخری فیصلہ دیتا ہے۔ اور اپنی دانست میں اپنی تاویل کو قطعی حق سمجھتا ہے لیکن ایک مفسّر کا دوسرے مفسّر سے تاویل میں اختلاف پیدا ہوتا ہے۔ اور بعض مفسّرین اپنے آخری فیصلہ پر لکھ دیتے ہیں "وَاللہُ اَعْلَمُ" یہ تاثر اس کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ مفسّر خود اِس مسئلہ کی اصل کو پا نہیں سکا۔ اِس اختلاف اور عدمِ تکمیلِ علم سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بعض مسائل میں عقلی بحث سے فیصلہ دیا جاتا ہے جس سے مسئلہ کی اصل کیفیت ابھی پوشیدہ رہتی ہے۔ اِسی طرح لیلۃ مبارکہ کی مفسّرین نے مختلف تاویلیں کی ہیں اور یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ یہ رات شعبان کی نصف

ترجمہ:۔ قسم ہے اِس کتاب کی جو کھُلی دلیلوں کے ساتھ پیش کی گئی۔ تحقیق اتارا اِس کتاب کو ایک برکت والی رات میں (لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر) تحقیق ہم ڈرانے والے ہیں۔ اِس رات میں الگ کئے جاتے ہیں۔ تمام پوشیدہ اُمور۔ یہ احکام ہماری طرف سے ہوتے ہیں۔ ہم ہی انہیں بھیجتے ہیں۔ یہ رحمت ہے تیرے

---

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: کی ہے یا رمضان کی ستائیسویں کیونکہ آیت مذکور میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ (یعنی ہم نے اتارا قرآن کو ایک مُبارک رات میں) اُدھر سورۃ قدر میں بھی ہے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ہ کہ ہم نے اُتارا قرآن کو ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (شبِ قدر) میں۔ اِس آیت کے حوالے سے قُرآن کا نازل ہونا ستائیسویں رات رمضان میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس لیے بعض مُفسّرین اِس آیت کے حوالے سے لیلۃ مُبارک کو بھی لیلۃ القدر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ پہلی آیت میں فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ ہ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کا بیان ہے۔ یہ آیت دَلالت کرتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب ماسوئی قُرآن احکام نازل ہوتے ہیں وہ نصف شعبان کی رات ہے۔ اب احکام و قُرآن کے نُزول میں یہ کیفیت باعثِ اِختلاف ہو جاتی ہے۔ کہ قرآن حضور پر تیئیس ۲۳ سال میں موقع بہ موقع نازل ہُوا۔ سو اِس نزُول کی کیفیت یہ ہے۔ کہ قُرآن پہلی آیت کی رُو سے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دُنیا پر نازل کیا گیا۔ اور شبِ قدر میں ہی آسمانِ دُنیا سے زمین پر نازل ہونا شروع ہُوا۔ اِس لیے یہ تعین اختلاف کی وجہ پیدا کرتا ہے۔ کہ اوّل اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ نزُول کی اِبتدا ہے۔ جو وقت شبِ قدر کا نہیں۔ اِس لیے اِس مسئلہ میں قطعی فیصلہ ابھی تشنۂ تحقیق محسوس ہوتا ہے۔ اور الفاظ



رب کی طرف سے۔ تحقیق وہ سُننے اور جاننے والا ہے۔ لیلۃ البرات میں یعنی (شعبان کی پندرھویں رات) اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ہ یعنی شبِ قدر میں بھی کتاب نازل ہونے کا بیان ہے۔ شبِ قدر یعنی ستائیسویں رمضان کی رات ملائکہ کے ذریعہ

---

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: کے ہیر پھیر میں لیلۃ برات اور لیلۃ القدر میں فرق نہیں کیا جاتا۔ دونوں شبوں کو عجمی طریق میں شبِ قدر سے ہی پکارا جاتا ہے۔

جہاں تک واقعات و کیفیات کا تعلق ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ پہلی آیت لیلۃ برات نصف شعبان کی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اِسی رات کی تفصیل بیان کر رہا ہے۔ کہ اِس قُرآن کے واقعات (جو کھلی دلیلوں کے ساتھ پیش کیا ہے) میں شُبہ یا تاویل کی گنجائش نہیں۔ کہ اِس قُرآن کو اوّل ہم نے نصف شعبان کی مُبارک رات میں لوحِ محفوظ سے ایک ساتھ آسمانِ سوئم پر اتارا*۔ اور اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ میں لیلۃ القدر میں بھی بیان کیا ہے۔ کہ ہم نے قرآن کو قدر کی گئی رات میں اُتارا۔ اور نصف شعبان کی رات میں فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ کا بیان اور تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ط کا بیان لیلۃ القدر سے متعلق ہے اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نصف شعبان میں یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ اور قرآن کا نزول لوحِ محفوظ سے آسمان سوئم پر ہُوا۔ اور لیلۃ القدر میں چونکہ لَیْلَةُ الْقَدْرِ (یعنی قدر کی گئی رات) ہے۔ اِس لیے اِس رات سے ہی آسمان سوئم سے زمین پر نازل ہونا مقدّر کیا گیا اور اِس کی ابتدا بوقتِ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ہوئی اور اِس کے بعد

---

(* اِس کی تفصیل آگے منازل فقر میں آسمانوں کی سیر میں آئے گی۔)

دریائے توحید کے اجلاسِ دوئم میں احکام حضور کے پیش کیے جاتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقطاب کے ذریعے اِن احکام کا دُنیا پر نفاذ فرماتے ہیں۔

ہر کسے گرد دعیاں دریائے توحید
پس بداں کہ مے شود آخر وحید

---

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: آسمان سوئم سے رفتہ رفتہ اِس کا نزول شروع ہُوا۔ اِسی طرح لیلۃ مُبارک (شب برأت) میں اللہ کی طرف سے لوحِ محفوظ میں تقدیر کیے گئے احکام آسمان سوئم پر اُترتے ہیں۔ اور لیلۃ القدر میں یہ احکام قدر کے ساتھ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ ۛ وہی احکام جو لیلۃ البرأت میں آسمانِ سوئم پر اُترتے ہیں۔ زمین پر ملائکہ کے ذریعے اُتارے جاتے ہیں۔

درحقیقت قرآنی بیان کی رُو سے۔ جہاں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (ہم نے اتارا قرآن کو مُبارک رات میں) اشارہ ہے ماہِ شعبان کی نصف رات کا۔ اِس بیان میں تفصیل پیش کی گئی ہے۔ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ۔ (اِس رات میں پوشیدہ امور الگ کیے جاتے ہیں) کہ قرآن کے ماسوئی اِس رات پوشیدہ احکام نازل کیے جاتے ہیں۔ جو احکام قرآن سے علاوہ ہیں۔ اِسی پوشیدہ اُمور کے نزول میں لَيْلَةُ الْمُبَارَكَةُ کی خصُوصیت ظاہر کی گئی ہے۔ سو اِس نزُول کا طریق یہی ہے کہ اِس رات (یعنی وحیِ ربانی) قُرآن کا نزُول جو (لوحِ محفوظ میں۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ) سے عالمِ بالا کے ایک مخصوص مقام پر جمع کیا گیا تھا ــــ ایک وقت ــــ ایک زمانہ ــــ میں۔ لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر نازل کیا گیا۔



جب سالک اِس مُقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُسے ذاتِ الٰہی کی تدلیات و تجلیات کے اسرار کی آگاہی ہونی شروع ہوجاتی ہے۔

---

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: (اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اللہ اور اُس کے رسول ہی جانتے ہیں کہ "ماہ شعبان کی پندرھویں رات کو" ــــ کب ــــ کس زمانہ میں نزولِ قرآن کے لیے مخصوص کیا گیا) ــــ کیونکہ اِس کا تعین نہیں کہ کب ــــ کس زمانہ سے اللہ تعالےٰ نے قُرآن کو لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر تمام کا تمام نازل کیا۔ ــــ سوائے اِس کے کہ قرآنی بیان میں اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نُزول کا وقت ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب کا ہے جس میں قُرآن کی ابتدائی وحی آسمانِ سوئم سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں ہونا ظاہر ہے۔ جس میں يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۔ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۵ ایک اضافی کیفیت (اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا) کا اضافی تصوُر ہے۔ جو اَمْرٍ حَكِيْمٍ کی صُورت میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئے۔ لیکن چونکہ یہ اضافی کیفیت ہے۔ اِس لیے اِن امور کا جمع ہونا (فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ) لوحِ محفوظ میں شامل نہیں۔ بلکہ براہِ راست اللہ تعالٰی کی ذات سے متعلق ہے۔ کہ اللہ تعالٰی اِن امورِ حکیم کو ہر سال لَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ ماہ شعبان کی نصف رات آسمانِ سوئم پر نازل کرتا ہے۔ اور لَيْلَةُ الْقَدْرِ۔ ماہ رمضان کی ستائیسویں رات۔ آسمانِ سوئم سے حضُور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر۔ بیتُ اللہ کے اجلاسِ دوئم میں ہر سال نازل ہوتے ہیں۔

چونکہ قُرآن کا نزُول مختصر مدت تک ہے۔ اِس لئے قرآن کا نزُول ایک بار لوحِ محفوظ سے آسمانِ سوئم پر ہُوا۔ اور اُس کے بعد قرآن کے نزُول کی ابتدا ماہِ رمضان کی مخصوص

## پس حقیقت ایں نہ آید در بیاں
## کہ زِ وصفِ ذاتِ حق ہست ایں عیاں

پس یہ حقیقت بیان میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ اِن کیفیات میں صفاتِ الٰہی کے پوشیدہ اَسرار ہیں۔

---

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ۔ رات ۔ستائیسویں ماہِ رمضان میں۔ غارِ حرا کی پہلی وحی سے (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ وحی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حرا میں مراقبہ میں تھے۔ آپ کی چالیس سال کی عمر شریف پوری ہونے پر (جبکہ اُس کے سنہ کا ابھی تعین نہیں ہوا تھا) ہوئی —— اور اِس نزول کا تتمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وحی حجۃ الوداع ۹ ذوالحجہ سنہ ۱۰ھ میں اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ۶ پارہ مائدہ سورۃ ۴ آیت پر ہوا۔ اِس نزول کے بعد اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ میں صرف اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کی خصوصیت فِیْهَا یُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ کی باقی رہتی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لَیْلَةٌ مُّبٰرَكَةٌ کے پوشیدہ احکام کب سے نازل ہوتے ؟ یہ امر متشابہات سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ قرآنی بیان تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا۔ یعنی ماہِ رمضان کی ستائیسویں شب (قرآن کے نزول تتمہ کے بعد بھی) ملائکہ اور جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ (یہ اشارہ كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ کی طرف ہے) امورِ پوشیدہ لے کر ہر زمانہ میں ہر سال نازل ہوتے ہیں۔ یہ امور وحی رسالت سے نہیں۔ کیونکہ حضورؐ کی وفات کے بعد بھی ہر زمانہ میں "لیلۃ القدر" کا نفاذ جاری ہے۔



## چوں زِ وصفِ ذاتِ پاک آمد توحید
## پس بیاں کردن اَزو باشد وعید

چونکہ توحید میں ذاتِ الٰہی کی وحدانیت کے اَسرار پائے جاتے ہیں جس کا تعلق متشابہات اور سِتر ہے۔ اِس لیئے اِس کی فہم وعقل کے ذریعہ نہیں بلکہ قلب و شعور تک ہی محدود ہے۔ ظاہری حواس وعقل ایسی کیفیات کو بوجہ کم مائیگی قبول نہیں کرتے۔ اسلئے ایسے اَسرار پوشیدہ رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے۔

---

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ ؛ مگر اِس رات قرآن کا نزول نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ امور پوشیدہ متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں جس میں لَیْلَةُ الْبَرَاءَةِ میں كُلُّ اَمْرٍ حَكِیْمٍ کے احکام نازل ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر (جسمانی حیثیت میں نہیں) روحانی حیثیت میں بیت اللہ کے دریائے توحید کے اجلاس دوئم میں ملائکہ اور جبرائیلؑ کے ذریعہ ہر سال پیش ہوتے ہیں۔ اِس حال میں کہ اِس بیان میں —— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی۔ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ اور تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ کا نفاذ ہمیشہ رہے گا۔ لہٰذا یہ نزول بعد وفات بھی قائم ہے۔

چونکہ قرآنی بیان کے مطابق اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ کے بیان میں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ کا نزول بعدِ وفات بھی قائم رہے گا اور یہ نزول سوائے اِس کے نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے مخصوص ہے۔ لہٰذا ہر زمانہ میں ماہِ رمضان کی ستائیسویں رات (یا جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃ القدر کے نزول کے متعلق فرمایا کہ اِن راتوں میں جاگ کر اِس نزولِ ملائکہ کا مشاہدہ کرو) کا

## منزلِ سوم کہ تا عرشِ مجید
## کشف گردد از عنایاتِ حمید

تیسری منزل عرشِ مجید ہے۔ جو کہ سالک بیت اللہ کے بعد مشاہدہ کرتا ہے۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: ——————

ملائکہ کا نزول ساتھ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ جاری رہے گا۔ اِس قرآنی بیان سے واضح ہے۔ کہ یہ نزول متشابہ ہے اور قرآنی بیان کے مطابق لَيْلَةُ الْبَرَاءَت کی خصوصیت بھی ہمیشہ کے لئے باقی رہے گی کہ ہر سال ماہ شعبان کی نصف رات يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ پوشیدہ احکام اپنی ذات سے آسمانِ سوم پر نازل فرماتے ہیں۔ اور آسمانِ سوم سے لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریائے توحید دوم اجلاس محمدی میں پیش ہوتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم احکام بَيْنَ الْاَقْطَاب ہفت وار دُنیا میں نفاذ فرماتے ہیں۔

اور اِن اُمورِ حکیم کے نزول کی اِبتدا کب ہوئی ہے؟ چونکہ یہ نزول بعد وفاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جاری و باقی ہے۔ اور ابتدا میں بھی یہ نزول قرآنی وحی سے علیحدہ کیفیت ہے۔ جو فی لوحِ محفوظ میں جمع نہیں۔ اس لئے نزولِ اَمرِ حکیم کا نزول وحیِ رسالت کے نزول سے علیحدہ تصور کیا جاتا ہے جس کی ابتدا قرآن سے واضح نہیں ——

چونکہ یہ نزول متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی ابتدا بھی متشابہ ہے —— نزولِ متشابہ اس لئے بھی۔ کہ یہ نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ہیئت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ احکامِ روحانی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیت اللہ کے اجلاس دوم



## طبقہ طبقہ نظر آید کُل سماوات
## آں زماں کہ کشف گردد شش جہات

جب سالک دریائے توحید سے عرش کی طرف پرواز کرنے لگ جاتا ہے۔ اُسے بطریقِ معراج طبق طبق آسمانوں کی سیر کرائی جاتی ہے۔ اور ہر آسمان کی کیفیت و احوال اور ان کے ساکنین (ملائکہ) اور مخصوص انبیاء سے ملاقات کرائی جاتی ہے۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ: ——————

میں پیش ہوتے ہیں۔ (اِن میں دین سے متعلق نظامِ دُنیوی میں دین کے نفاذ اور اِصلاحِ انسانی کے احوال پائے جاتے ہیں۔ جن کا نفاذ بھی احکام بَيْنَ الْاَقْطَاب روحانی طور پر ہر زمانہ میں ہوتا ہے۔) اور روحانی طور پر ہی اِن کا نفاذ ہوتا ہے۔ اور یہ احکام روحانی عالم۔ اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِن اُمور کے نزول کا تعیّن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حیثیت پر اور روحانی عالم میں اِن کے مقامِ روحانی۔ یعنی اوّل اجلاس محمدی (دربارِ محمدیؐ روضۂ مدینہ شریف) بیتُ اللہ شریف میں دریائے توحید دوم اجلاس محمدیؐ پر ہی متعین ہو سکتا ہے۔ یہ امر سوائے قرآن کے حدیثِ نبوی سے سمجھا جا سکتا ہے ——

چنانچہ دو احادیث سے اِس کیفیت کے شواہد مل سکتے ہیں۔ اوّل ——

اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِىْ۔ سب سے پہلے جو کیفیت رسول اللہ پیدا ہوئی وہ ہمارا نور (ہماری روح) تھی —— دوسری كُنْتُ نَبِيًّا كَانَ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ (میں اُس وقت بھی صاحبِ معرفت۔ خبر پانے والے۔ خبر دینے والے نبی تھے۔ جب آدمؑ کا وجود پانی اور مٹی (حماءٍ مسنون) میں تھا۔ اِن احادیث سے واضح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مخلوق سے پہلے خلق کیا گیا —— یہ وجود (محض روح) تھا ——

یہ مقامات دریائے توحید سے شروع ہوتے ہیں۔ اِن مقامات کی سیر بُراق کے ذریعہ ہوتی ہے۔ کہ سالک بُراق پر سوار ہو کر آسمانوں پر جاتا ہے۔ اور بغیر بُراق کے بھی ایک قدم دریائے توحید سے اُٹھایا۔ دوسرا قدم آسمانِ اوّل پر۔ اور تیسرا طرق ایک پردہ کی صُورت میں کہ پردہ سے دُوسری طرف آسمانِ اوّل میں سالک خود کو پاتا ہے۔ تیسرے طرق میں۔ دریائے توحید میں ایک اور دریا نظر آتا ہے۔ اسے بحرُ القیوم کہا جاتا ہے۔ اِس مُقام پر حضرت عیسےٰ و حضرت مریم علیہما الصلوٰۃ والسلام اور تمام انبیاء کی صاحبزادیوں کی زیارت ہوتی ہے۔

۔ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

— جس نُور کو محمّد صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر یا موسوم کیا گیا۔ دوسرے کَانَ نَبِیًّا یعنی معرفتِ اسرارِ الٰہی سے رُوحانی طور پر آگاہ ہونا — رُوحانی حیثیت میں — "رُوح" سے مشاہدۂ اسرارِ الٰہی پانا — جبکہ ہر انسان جسمانی حیثیت میں بھی۔ رُوح سے ہی معرفتِ اسرارِ الٰہی پاتا ہے — اِس مقام پر تخلیقِ کائنات میں ہر افضل ترین مخلوق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تخلیقی خصوصیت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اَزل سے ہی "علمِ نُور" رکھنے والے تھے۔ اِس حال میں کہ کائنات کی کوئی شے (بحیثیت نبی) آپ کے احاطۂ علم سے باہر نہ تھی یہی مفہوم "نبی" کا حقیقی مفہوم ہے۔ اور جبکہ خبر پانے میں۔ اَسرارِ الٰہی — اَسرارِ ملکوتی کا مُشاہدہ ہی اصل کیفیت ہے۔ تو اَسرارِ ملکوتی کی رُوحانی ہیئت حقیقتاً عالمِ ناسُوت۔ عالمِ ناس کے باطنی آثار۔ عالمِ ملکوت۔ عالمِ ملائکہ کے باطنی آثار۔ جس کی ہیئت اَوّل اَجلاس محمّدیؐ روضۂ مطہرہ۔ دوئم اَجلاس محمّدیؐ بیتُ اللہ دریائے توحید سے تشبیہ ہے۔ لہٰذا یہ امر واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ منازل و کیفیات اَزل سے متعیّن ہیں۔ اِنہیں کیفیات کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ ہے۔



اِن تمام انبیاء زادیوں کی سردار۔ خاتونِ جنّت حضرت فاطمۃُ الزّہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہاں پر ایک مُقام چھوٹی سی پہاڑی کی صورت نظر آتا ہے۔ یہاں سے ہی ایک آن میں سالک آسمانوں میں داخل ہو جاتا ہے۔

**آسمانِ اوّل:** میں جب سالک داخل ہوتا ہے۔ تو یہاں ایک ملائکہ کا سردار ہوتا ہے۔ اِس کا نام اسماعیل ہے۔ اِس ملائکہ کے تابع ہزاروں ملائکہ ہیں۔ اِس آسمان اوّل میں حضرت آدم علیہ السّلام کا مُقام بھی ہے۔

**آسمانِ دوئم:** میں اِسرائیل نامی فرشتوں کا سردار ہے۔ لاکھوں فرشتے اُن کے تابع رہتے ہیں۔ اِس آسمان میں ایک فرشتہ قاسم نامی ہے۔ جس کے پاس ہر انسان

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

+ کَانَ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمَ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّھَا۔ میں حضرت آدمؑ کو اِنہیں اَسرار کا مشاہدہ دیا گیا۔ جن میں عالمِ ناسُوت اور عالمِ ملکوت ہیں۔ اوّل اَجلاس محمّدیؐ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رُوحانی وجُود کا مُشاہدہ جو اَزل سے اَبد تک جاری رہے گا۔ اور سنّتِ الٰہی — سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ہر نبی کو اِسی عالمِ اَسرار کے مشاہدہ سے "نبی" کا خطاب دیا جاتا ہے۔ اور ہر نبی کی رسالت (نزولِ وحی، رسالت) پر — حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ساتھ۔ تمام رسالت میں توراۃ۔ زبُور، انجیل اور دیگر کتبِ رسالت عطا کی گئیں — اُنہیں بھی۔ ایک متعیّن زمانہ پر وحیِ رسالت دی گئی۔ اور نفاذِ اسلام کے لئے احکام (اَحکام بَیْنَ الْاَقْطَاب) دریائے توحید — دوئم اَجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے رہے۔ اور ہر نبی کو (جیسا کہ حضورؐ کی اُمّت میں علمائے اُمّت اولیائے کاملین کا مقامِ قطبیت مقرر ہے) اِسی نظام کے

+ (حاشیہ) ہم روحانی طور اَزل سے مقام اسرارِ الٰہی (اَسْمَاءَ کُلَّھَا) کا علم رکھتے تھے۔

کے مُقدّر کیے گئے رِزق کا دَفتر ہے۔ اِس آسمانِ دوئم میں حضرت یحییٰؑ کا مقام ہے۔

حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ:

تحت احکام یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ۔ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اَجلاس دوئم سے ملتے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اُس وقت سے یہ احکام ملے۔ جب رسالت کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام سے ہوئی۔ کہ آپ کو وحی رسالت کے ساتھ ایک مخصوص رات تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کے ساتھ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دریائے توحید۔ دوئم اَجلاس محمدی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت نوح علیہ السلام کیلئے احکامِ باطنی لے کر پیش ہوئے۔ اور یہیں سے حضرت نوح علیہ السلام کو اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کے احکام ملے۔ یہی وہ زمانہ رات ہے۔ جس میں اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور پر آپ پر قرآن کا نزول ہوا۔ اور آخری نبیؐ کی حیثیت میں براہِ راست آپ کو ۔۔۔ آپ کی ذات کیلئے اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا کے احکام نازل ہوئے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ کَانَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ۔ میں ایک تصور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی وُجود (نوری) کا۔ اَزل سے عالمِ ملکوت میں مقامِ اَفضلیت کا موجود ہونا۔ جو عالمِ ملکوت کی تشبیہی ہیئت۔ اَجلاسِ محمدی ۔۔۔ دریائے توحید دوئم اَجلاسِ محمدی کی ہیئت میں اَزل سے مقرر ہے۔ اور اسی اَجلاس میں آسمانِ سوئم سے اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۔۔۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوْحُ۔ اِن دونوں راتوں کو مخصوص کیا گیا۔ کہ اَزل سے یہ مقرر تھا۔ کہ انہیں دو راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل کیا جائے گا۔

+ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ

ے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ڈال کر (رَحْمَۃً مِّنْ رَّبِّکَ) مومنوں کی مغفرت (بقیہ حاشیہ ع۲)



آسمانِ سوئم: آسمانِ سوئم میں بَکْلُوْن نامی سُردارِ ملائکہ ہے جس کے تابع ایک لاکھ ملائکہ ہیں۔ اِس آسمان میں حضرت عیسیٰؑ کا مقام ہے۔ یہی وہ فرشتہ ہے جس

حاشیہ ع۲ ۔ کا حکم کرتا ہے۔ بیہقی سے ایک اور بروایت حدیث مروی ہے۔ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَنْزِلُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ الدُّنْیَا لَیْلَۃَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِکُلِّ شَیْءٍ اِلَّا الرَّجُلِ الْمُشْرِکِ اَوْ فِیْ قَلْبِہٖ شَحْنَآءُ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ پندرھویں شب آسمانِ دُنیا پر نازل ہوتا ہے۔ (یہ نزول استعارۃً ہے) اور ہر شخص کی مغفرت کرتا ہے۔ سوائے مُشرک کے اور جس کے دِل میں کینہ رہے۔

یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ میں۔ رزق۔ موت۔ حیات اور واقعاتِ عالم کے اہم اُمور۔ محلّہ کے۔ گھر کے۔ شہر کے۔ مُلک کے اور تمام دُنیا سے متعلق اِنتظامات بھی شامل ہیں۔ جو لیلۃُ القدر میں آسمانِ سوئم سے۔ دوئم اَجلاسِ محمدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتے ہیں۔ اور آپ اَقطاب کے سپرد کرتے ہیں۔ یہ احکام ہفتہ بھر کے ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جُمعۃ الحق جمعرات کی ظہر سے لے کر جُمعہ کے خطبہ تک) یہ احکام بَیْنَ الْاَقْطَاب تقسیم کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب قُطْبُ الْاَقْطَاب ہوتا ہے اُسے احکام دیتے ہیں۔ قُطْبُ الْاَقْطَاب۔ قُطبِ عالم کو۔ وہ قطبُ الارشاد کو۔ وہ قطبُ المدار کو۔ وہ قطبِ سلاطین کو۔ وہ قطبُ الاوتاد کو۔ وہ قطبُ الاَبدال کو اور قطبِ اَبدال محلّہ کے ہر اَبدال اور محافظ تک پہنچاتے ہیں۔ اِنہی احکام کے مُطابق ظاہری نِظام میں حالات رُونما ہوتے ہیں۔

کے پاس لوحِ محفوظ سے نازل شدہ اَحکام برائے اَقطاب کا بھی دفتر ہے۔ یہ احکام دریائے توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتے ہیں۔ یعنی ہر سال شبِ برات میں لوحِ محفوظ سے تقدیر و احکام کا دفتر اسی فرشتے کے پاس پہنچتا ہے۔ اور ہر سال لَیْلَۃُ الْقَدْر میں یہ دفتر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اَجلاسِ دوئم میں پیش ہوتا ہے۔

اِس اَجلاسِ دوئم سے ہر ہفتہ اَحکام بَیْنَ الْاَقْطَاب تقسیم ہوتے ہیں۔

آسمانِ چہارم: میں ملائکہ کا سردار موسائیل ہے۔ چار لاکھ ملائکہ اِس کے تابع رہتے ہیں۔ اِس آسمان میں حضرت موسیٰؑ کا مقام ہے۔

آسمانِ پنجم: میں سردارِ ملائکہ سقطائیل ہے۔ جس کے تابع پانچ لاکھ ملائکہ ہیں۔ اِس آسمان پر حضرت ابراھیمؑ کا مقام ہے۔

آسمانِ ششم: میں ملائکہ کا سردار "روبائیل" ہے جس کے تابع چھ لاکھ ملائکہ ہیں۔

آسمانِ ہفتم: اِس آسمان میں ملائکہ کا سردار دوبیل ہے۔ جس کے تابع سات لاکھ ملائکہ ہیں۔

اِن سات آسمانوں کی یہ مختصر کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اِس کے علاوہ ہر آسمان میں اِن کی وسعت کے اعتبار سے بے شمار اَشیاء اور عجائباتِ اَسرارِ الٰہی ہیں جن کا بیان کرنا مشکل ہے۔

سات آسمانوں کے بعد کُرسی کا مقام ہے۔ کُرسی بھی ایک نوری مقام ہے۔ اِس کے بعد عرش کے مقام تک اِسی طرح سالک زینہ بہ زینہ پہنچتا ہے۔ عرش کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ اِس میں بَیْتُ الْمَعْمُور ہے۔ یہ ایک نہایت عظیم الشان عمارت کی صورت میں نظر آتا ہے۔ اِسی مشابہت پر بیتُ اللہ کی تعمیر ہوئی ہے۔ یہاں پر



حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرا اَجلاس ہے یہ مقام عالَمِ ملکوت کا آخر اور عالَمِ جبروت کی ابتدا ہے۔ یہاں سے ملائکہ مقربین کے خصوصی مُقامات اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی صِفاتی اَنوار شروع ہوتے ہیں۔

## منزلِ چہارم تا تحت الثّریٰ
## بینی از آئینہ حق کل ارض را

چوتھی منزل تحت الثّریٰ ہے۔ جب سالک اِس مُقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُسے تمام کیفیات یعنی کائنات کی تمام مخلوق سُورج۔ چاند۔ ستارے۔ زمین کی تمام کیفیات اِس طرح نظر آتے ہیں جس طرح آئینے میں ہر شے کا عکس نظر آتا ہو۔ اِس مقام پر سالک ان تمام کیفیات کی اصل ہیئت سے پوری طرح آگاہی حاصل کر لیتا ہے۔ کہ سُورج کیا ہے۔ اِس کا مُرکّب کیا ہے۔ چاند ستارے وغیرہ کی سَیر کر لیتا ہے۔ لیکن اِس مقام میں وہ کیفیت نہیں جس میں عالَمِ ناسوت میں قبروں کے اَحوال یا غیبی خزانے نظر آتے ہوں۔ بلکہ کائناتِ ارضی کی تمام تخلیقی ترکیب اور ابتدا کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ٥ پس سیر کرو زمین میں۔ اور دیکھو (فکر کرو) کہ اِس کائنات میں ہر شے کی پیدائش کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اِس تحقیق میں مادّی طریق سے اشیاء کی کیفیات ٹھوس جسم میں عقل فکر کے ساتھ حاصل کی جائیں۔ تو اشیاء کی مادّی ساخت علم میں آجاتی ہے۔ کہ اُشیاء کی ابتدا کیسے ہوئی ہے۔ عقل فکر کی رسائی اشیاء کے مادّی وجود یعنی ابتدائی ذرّہ (ایٹم) تک ہی ہے۔ اِس کے بعد کیفیت غیر جسمانی ہیئتِ لطیف اختیار کر جاتی ہے۔ اِس لیے عقل تفکر بھی اشیاء کی ابتدائے حقیقی تک رسا نہیں ہو سکتی۔ اِس کے بعد عقل کی پیداوار یعنی قیاس سے مدد لی جاتی ہے لیکن

جہاں تک ذہن میں وہم کا وجود پایا جاتا ہے۔ بغیر فقہ قلبی وہم غلط تاویلات پیش کرکے اصل کیفیت کو سامنے لانے کی بجائے غلط رُخ پر لے جاتا ہے۔ اِس طرح کَیْفَ بَدَأَ الْخَلْق کی پوری تکمیل نہیں ہوتی۔ تاوقتیکہ انسان اپنے فقہ قلبی اور قوتِ شعور سے اشیاء کی غیر جسمانی کیفیات کو پاکر اُن کی اِبتدا کو نہ پائے۔ سو ایک سالک ہی اِس مقام کو پا سکتا ہے۔ جب سالک مُقامِ تحتَ الثریٰ تک پہنچتا ہے تو اُسے ہر شے کی اِبتدا کا خود مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

**نظر آید ہر زمیں با جنسِ خویش**
**باطریقے کہ کند رب کشف پیش**

زمین کی ہر جنس اور کیفیت جس طرح اللہ چاہے سالک کو دکھا دیتا ہے۔

واضح ہو کہ اِس کائنات کی تخلیقی ترکیب میں۔ سبب اور مُسَبّب یعنی عِلّت اور معلُول کا طریق کارفرما ہے۔ اور اِس کا خالق علّتِ لامحدود ہے۔ اُس کی لامحدودیّت باعتبار اَحدیّت ہے۔ کہ اُس کی وُسعت میں کسی غیر کا وجود پایا نہیں جاتا۔ اِس لیے اُس کی ذاتِ احد و لامحدود کے ماسویٰ کوئی بھی کیفیت پائی جائے۔ تو وہ کیفیت بذاتہٖ کوئی وجود نہیں۔ بلکہ اُس کا وجود کسی وجود کا معلول ہی ہو سکتا ہے۔ ہر معلول کا پایا جانا ایک علّت (سبب) کی دلیل ہے۔ کیونکہ جب تک سبب (علّت) نہ ہو مُسَبّب (معلول) کا وجود ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اِس لئے ہر معلول خود علّت ہے اور ہر علّت خود معلول ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی علت کا وجود بھی بیشتر کسی علت سے معلول کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور جہاں تمام علّتوں کی انتہا ہو کر ایک ایسی علّت لامحدود کا وجود پایا جائے۔ جس کی وُسعت و واحدیّت میں کوئی بعد کی دوسری علّت



نہ پائی جائے۔ وہی تمام عِلّتوں کی خالق کہلائے گی۔ گویا ہر کیفیتِ علّت و معلول کا منبع و مخزن وہی علّتِ لامحدُود ہے جس کی علّت پائی نہیں جاتی۔ جس علّت سے ہر علّت کا وجُود قائم ہُوا۔ یہ وجُودِ کُل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور تمامی مخلوق اِس کی جُز کہلائے گی۔ یہی کیفیت ذاتِ الٰہی سے موسُوم ہے جس سے تمام مخلوق کا ظہور ہُوا یہ تمام مخلوقِ کائنات اُس ذاتِ لامحدود و وسیع میں ایک نقطہ (مرکز) کی حیثیت میں ہے۔ اور اللہ کی ذات اِس کائنات پر ہر سمت سے احاطہ کئے ہُوئے ہے۔ اِس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کَیْفَ بَدَأَ الْخَلْق کی ترکیب یہی ہے۔ کہ اللہ خود مخلوق میں مُنتشر نہیں۔ بلکہ اپنی احدیّت کے اعتبار سے بیروں مُحیط ہے۔ اور مخلوق اِس ذات میں نقطہ کی حیثیت میں ایک جز ہے ورنہ جب اللہ لامحدود ہے۔ تو مُنتشر حالت میں اِس کا ہر مَظہر (مخلوق) بھی لامحدود ہیئت میں ہوگا۔ مگر ایسا نہیں۔ بلکہ ہر مخلوق۔ محدود اور فانی (ہیئت تبدیل کرنے والی) ہے۔ اِس لیئے ایک مخلوق کے لیئے اِس کا ابتدائی وجُودِ مخلوق ہونا ضروری ہے تاکہ اِسی مخلوق سے محدُود مخلوق کا وجود ہو سکے۔ سو اِس کی ترکیب یہی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے جب مخلوق کی۔ بَدَآ۔ کا آغاز کیا۔ تو اپنے نورِ لامحدود میں۔ ایک محدود نور کو نقطہ کی حیثیت دیتے کر اِسے مرکز کی صورت میں بنایا اور خود ہر جہت سے اُس پر احاطہ کر لیا۔ اِس طرح اُس کی محدودیّت اور واحدیّت میں بھی فرق نہ آیا اور مخلوقِ محدود کے لیئے سبب بھی پیدا ہو گیا۔ اب اِسی مخلوق نور میں مرکز کی صورت میں مخلوق علّت دَر علّت پیدا ہونے لگی۔ ہر علّت میں معلول نے مرکز کی حیثیت پائی۔ یہی معلُول خود علّت بنا اور اِس سے دوسرا معلُول مرکز کی حیثیت سے پیدا ہُوا اور یہ سلسلہ بلاتعیّنِ زمانہ مُدّتہا مُدّت جاری رہا۔ یہاں تک کہ عرش بنا اور

عرش کے مرکز میں کُرسی معلول ہوئی اور کُرسی علت بنی اِس سے سات آسمان معلول ہوئے اِسی کیفیت کی طرف قرآن کا اشارہ ہے کہ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کُرسی نے سات آسمانوں اور زمین کو نقطہ اور مرکز کی صُورت میں پیٹ میں سمایا ہے اور خود کُرسی ہر جہت سے آسمانوں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اِن تمام کیفیتوں پر خود اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ہر جہت سے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ اللہ تعالیٰ مخلوقِ کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔

سات آسمانوں کی بھی یہی کیفیت ہے کہ ہر آسمان ایک دوسرے پر واسع ہے آسمانِ ہفتم کا مرکز آسمانِ ششم۔ آسمانِ ششم کا مرکز آسمانِ پنجم۔ آسمانِ پنجم کا مرکز آسمانِ چہارم۔ آسمانِ چہارم کا مرکز آسمانِ سوئم۔ آسمانِ سوئم کا مرکز آسمانِ دوئم۔ آسمانِ دوئم کا مرکز آسمانِ اوّل، ہر آسمان اپنے مرکز کی علت ہے۔ اور آسمان اوّل آسمانِ دُنیا کہلاتا ہے۔ اِس کے معلول تمام سُورج۔ چاند۔ ستارے۔ جیسے یہ آسمان مثلِ انار کے دانوں کے بھرا ہُوا ہے۔ اور زمین کا مُقام آسمانِ اوّل کے عین مرکز پر ہے۔ زمین ہی تمام سیّاروں سے دُور مقام ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ علتِ لا محدود، خالقِ ارض و سمٰوات۔ آسمانوں اور زمین پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ کی یہی ترکیب ہے۔ اِس ترکیب کی کیفیت آیاتِ قرآنی میں هُوَ الْاَوَّلُ وہ خود ہی تھا۔ هُوَ الْاٰخِرُ ہر حال میں اُس کی ذات میں نقص ہو سکتا ہے نہ اُس کی واحدیت میں۔ کہ کسی مخلوق کے پانے سے اُس کی احدیت میں فرق آئے۔ جیسے اوّل تھا۔ آخر تک ویسا ہی احد رہے گا۔ هُوَ الظَّاهِرُ۔ ہر ظاہر کیفیت اپنا وجود نہیں رکھتی۔ بلکہ معلول ہے ذاتِ الٰہی کے نُور سے، اِس لئے ظاہر کی اشیاء کے

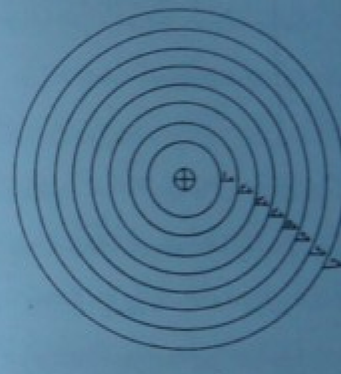


باطن میں بھی اُسی کا نورِ بنیادی وجود ہے۔ هُوَ الْبَاطِنُ اور جو کچھ پوشیدہ کیفیتیں پائی جاتی ہیں اور ہر کیفیت کے باطن میں بھی اُسی کا نورِ احد شامل ہے۔ اِس آیت کی شرح حدیث ترمذیؒ سے بھی ہوتی ہے۔

وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ قَرَاَ عَلَيْهِ السَّلَامُ هُوَ الْاَوَّلُ هُوَ الْاٰخِرُ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ۔

حضرت امام ترمذی رضی اللہ عنہ نے اِس طویل حدیث کی روایت کی ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمین کا ذکر اور اُن کے فاصلے بیان فرما رہے تھے۔ کہ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ اگر تم رسّی سے ڈھول باندھ کر زمین کی نچلی طرف پھینکو تو وہ ڈھول اللہ پر اُترے گا۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ هُوَ الظَّاهِرُ هُوَ الْبَاطِنُ...... وغیرہ ذٰلِكَ۔۔ اِس حدیث کی کیفیت پر غور کیا جائے۔ اور آیت پر بھی غور کر کے دونوں کیفیتوں کو ایک دوسرے سے نسبت دی جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث بطورِ استعارہ ہے۔ اور اِس آیت کی صحیح تفسیر اور ترکیب اِس سے ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ زمین کی نچلی طرف قریب میں ذاتِ الٰہی کا وجود بہ اعتبار لا محدود۔ نہیں ہو سکتا۔ جبکہ زمین کے نیچے بہت سی کیفیتیں درمیان میں پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ "زمین کی نچلی طرف" اور "ڈھول پھینکنا" اور "اللہ پر ڈھول کا اُترنا" زمین اور ذاتِ الٰہی کی حقیقی کیفیت کو اصل ہیئت میں پہچانا جائے۔ اِس کے لئے آیت خود اپنی ترکیب پیش کرتی ہے۔ کہ اوّل ذاتِ الٰہی

کی کیفیت کو سمجھا جائے۔ هُوَ الْاَوَّلُ۔ وہ ازل سے اَحَدٌ تھا۔ اَحَدْ کے اعتبار سے وہ ہمیشہ احد رہے گا۔ اِس لیے اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کی صورت میں وہ ہر جہت سے کائنات پر احاطہ کئے ہے اور اُس کا تصوّر وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ سے ذہن میں آجاتا ہے۔ کہ زمین پر آسمانوں نے طبقًا عَنْ طبق ہر جہت سے اِحاطہ کیا ہے۔ اِس کا تمثیلی خاکہ ذیل میں درج ہے۔



⊕ زمین ہے زمین کے ہر طرف آسمانِ اوّل کا احاطہ ہے اُوپر نیچے، دائیں بائیں اِسی طرح آسمانِ اوّل پر آسمانِ دوم کا احاطہ ہے۔ اِسی طرح ہر آسمان ایک دُوسرے پر احاطہ کئے ہے اور عرشِ کُرسی ہے۔ اِس نے آسمانوں اور زمین کو احاطہ میں لے رکھا ہے۔ اِس کے بعد ہر مقام منزلِ عُرش اور عرش سے اُوپر ہر کیفیت نے اِسی طرح اِحاطہ کر رکھا ہے اور آخری کیفیت ذاتِ الٰہی کی اِسی طرح اپنی لا محدودیّت کے ساتھ اِحاطہ کئے ہے اب اِس ابتدائی نُوری کیفیت سے تخلیق کی ابتدا کا تصوّر کیا جائے کہ وہ خود اللہ احد اوّل تھا۔ اور آخر تک اِسی حال میں رہے گا۔ اُس کی ذات میں مخلوق غیر اللہ سے کی نہ ہوگی۔ بلکہ ہر مخلوق اُس کے نُور کی جُز۔ اُسی کا نور (مختلف شکلوں میں) قرار دیا جائے گا۔ لہٰذا جو کچھ بھی ظاہر اور باطن سے تعلّق رکھتا ہے وہ



اُسی کا نُور ہے۔ تو اب اُس کی اَحدیّت علٰے حالہٖ قائم و سالم ہے۔ اِس لیے اِس اَحدیّت میں مخلوق کی تخلیق ترکیب اِسی دائرہ اور مرکز کی صورت میں ہوئی۔ گو زمین کو اگر مرکز قرار دیا جائے۔ تو آسمانی کیفیات۔ کُرسی عُرش سے گزر کر ہر جہت سے تمہارے سامنے اللہ ہی ہوگا۔ اللہ کو ایک جہت میں اُوپر کی طرف متعیّن کرنا خلافِ فطرت ہے۔ کہ وہ اُوپر ہے اور نیچے نہیں۔ اِس کا مثالی تصوّر ایسا ہے کہ انسان خواہ اوپر کی طرف دیکھے، دائیں دیکھے یا بائیں دیکھے۔ یا نیچے دیکھے۔ کسی طرف اِس حال میں دیکھے کہ اُس کی نظر اپنے مُقام سے ہی آسمان و کُرسی و عُرش اور تمام نُورانی کیفیات سے گزر کر سیدھی نُورِ الٰہی پر پہنچتی ہے۔ تو تمہیں اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ جس طرف رُخ کر کے دیکھو اُسی طرف وُہ ہے۔ خواہ اُوپر دیکھو خواہ سیدھا مشرق کی سمت دیکھو خواہ مغرب کی سمت دیکھو خواہ نیچے دیکھو۔ اِنسان اور اللہ کے درمیان آسمان اور باقی نُوری کیفیتیں حائل ہیں۔ اور اللہ کی ذات اِسی فاصلہ سے انسان سے دُور ہے۔ لیکن انسانی قوّتِ بصارت اگر اِس قدر قوی ہو کہ نُوری کیفیتوں کے بیچ سے گزرے تو وہ براہِ راست اللہ کے اِحاطہ کئے ہوئے نُور کو دیکھ لے گا۔ مگر انسان کی قوّتِ بصارت اِتنی قوی نہیں اِس لیے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ نہیں دیکھا جا سکتا اللہ کو آنکھوں سے (پارہ ۷ رکوع ۱۹۔ آیۃ ۳)۔ تمہاری آنکھوں میں اِتنی قوّت نہیں۔ مگر اللہ کی ذات اپنی الٰہی قوّت کے اعتبار سے بَصِیْرٌ ہے اِس لیے وَهُوَ یُدْرِكُ الْاَبْصَارَ۔ وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ هُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ وہ مُجسّم نورِ احد ہے۔ اِسی ذات کے اعتبار سے وہ تمہیں دیکھ سکتا ہے۔ اِسی کیفیت کے تصوّر میں اگر تم زمین سے نیچے کی طرف ڈھول ڈالو اور وہ تمام درمیانی

نُورانی کیفیتوں سے گزرتا ہُوا نیچے کی طرف سے بھی اللہ تک پہنچ سکتا ہے ڈھول ڈالنا ایک استعارہ اور محاورہ ہے۔ ورنہ اس کا مطلب یہی ہے کہ محیط ہونے کے اعتبار سے اُس کا کوئی خاص تعین اُوپر کی طرف ہی نہیں بلکہ فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰه وہ نیچے کی طرف بھی پایا جاتا ہے۔ یہ حدیث چونکہ آسمانوں کی مسافت بیان کرتے ہوئے بیان کی گئی ہے۔ اس لئے آسمانوں کی ترکیب کی بھی وضاحت ہو گئی۔

اَلغرض سالک جس طرف سے اُس کا تصور کرے گا۔ اُسی طرف کی وہ کیفیات پائے گا۔ اب اللہ چاہے جس کو جتنا اِن مُقامات کی سَیر میں دکھا دے۔ اور ایک طرف کے آثار دکھائے۔ زیادہ دکھائے۔ خواہ ہر جہت کا مشاہدہ کرائے۔ یہی مطلب ہے۔

"با طریقے کہ کند رب کشف پیش" سے ہے۔ کہ زمین کی ہر جنس کو جتنا اللہ چاہے سالک کو دکھا دیتا ہے۔ اِسی طرح جب سالک منزلِ چہارم میں تحت الثریٰ تک پہنچتا ہے تو اُسے بے شمار اَسرارِ مخلوق سے آگاہی کرائی جاتی ہے۔ جس سے عقلی قوت سے کیفیات کو پرکھنے والے بے خبر ہوتے ہیں۔

منزلِ پنجم بداں تو بالیقیں
ہفت جنّت ظاہر آیند اے امین

سو یقین کرے! کہ سات جنّت ہیں۔ اور اس کا مشاہدہ اور مرتبہ بھی انسان اپنی زندگی میں پا سکتا ہے۔ تو تجھے سات جنت کی سَیر بھی حاصل ہوگی۔

بالیقیں داں ہفت جنّت پیش تو
ظاہر آیند از عنایت ذاتِ اُو



یہ حقیقت ہے۔ کہ وَاقعی سات جنّت کا مشاہدہ حاصل ہوگا۔ اور یہ چیز عنایتِ الٰہی میں شامل ہے۔ کہ تجھے اُس مقام تک پہنچنے کی توفیق عطا کرے۔ لیکن۔ ! اِس کی توفیق کے لئے شرط ہے اور وہ یہ کہ جنّت مُوت کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ موت اور حشر مقرر ہے۔ جنّت کا ملنا حشر کے دِن مقرر ہے مگر لیکن سالک کو اپنی زندگی میں حاصل کرنی ہے۔ ! لہذا تُو اپنی موت سے قبل اپنی زندگی میں موت کو پالے۔ کہ تیری رُوح تیرے جسم سے علیحدہ ہو جائے۔ اِس کا طریق یہ ہے۔ تیرا جسم کھلا جائے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً ط۔ تو طریقِ مصطفوی میں نماز عبادت، فاقہ کشی۔ رات کا جاگنا۔ اور دُنیا کی ہوس سے بے نیازی اِختیار کر کہ تیرا جسم مُردہ نہ ہو۔ بلکہ تحلیل ہو۔ تُو وجُود کو قائم رکھتے ہُوئے اپنے اُوپر موت کی کیفیت طاری کر۔ ! جب ہی تُو اس ہفت جنّت کے مُقام کو پالے گا۔ اگر اتنی جرأت نہیں۔ تو پھر ایک پیرِ اکمل کے ہاتھ اپنے آپ کو بیچ ڈال تاکہ تیرا اِختیار تیرے جسم سے اُٹھ جائے۔ اور پیرِ اکمل تجھے قربانی دے دے۔ پھر پیرِ اکمل کی قدرت میں ہے کہ وہ ایک آن میں تجھے ہفت جنّت کی سَیر کرا دے۔

ہاں ! پیرِ اکمل کے ہاتھ بیع ہونا سیکھ۔ کہ تُو اپنی تمام فانی ملکیّت کو جس میں تیری جان بھی شامل ہے صرف عشق و محبّت پر فروخت کر۔ جذبۂ عشق میں تُو ماسویٰ سے بے خبر ہو جا۔ بس تیرا پیر تجھے اپنے پروں میں لے لے گا۔ پیرِ اکمل اِس جنّت کے مالک کا قرب حاصل کر چکا ہے۔ ہفت جنّت اُس کی راہِ صراط کا ایک ادنیٰ مرحلہ ہے۔ اُس کے لئے تیری زندگی میں ہفت جنّت عطا کرنا آسان ہے۔ ! پھر تجھے معلوم ہوگا کہ ہفت جنّت میں کیا کچھ پایا جاتا ہے۔ ورنہ عقلی تدبیر پر چلنا۔ تو مشکل ہے۔ کہ تُو اپنے

علم و عمل سے جنّت کو بعد مرگ بھی پا سکے۔

تا بہ بینی تو کہ کس جنّت رَوَد
ہم لباس از جنّت چہ گو نہ تند

تجھے یہ بھی معلوم ہو جائے گا۔ کہ کون جنّت میں جائے گا۔ اور اُسے کونسا مقام حاصل ہو گا۔

ہم آثار آں شخص دَر دُنیا چہ ہست
میرود سوئے بُلندی یا کہ پست

تو ایک شخص کے نیک و بد ہونے کی پہچان کرے گا۔ کہ کون بلندی کی طرف جاتا ہے اور کون پستی کی طرف جا رہا ہے۔ تو ایک شخص کی تقدیر سے پوری طرح آگاہ ہو جائے گا کہ وہ جنّتی ہے یا جہنّمی۔

ایں ہمہ آثار آید پیشِ تُو
چُوں عنایت میشود از ذاتِ اُو

یہ تمام آثار تجھ پر منکشف ہو جائیں گے۔ جب تجھ پر ذاتِ حق کی عنایت ہوگی۔ کہ تجھے اپنے فضل و کرم سے صراطِ مستقیم پرلے جا کر اپنے انعامات سے نوازے۔

حضرتِ رُومیؒ زِ تحریر و بیان
خوب کردہ ایں مبحث را بیان
قصۂ حضرت زیدؓ کہ دَر مثنوی
ہست اندر ایں بیاں داں اے اخی



اِن آثار کو مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی کے ایک قصّہ[1] میں بیان کیا ہے۔

چُونکہ پَردہ غیب بَرخیزَد زِ پیش
ظاہر آیند ایں ہمہ اَحوالِ خویش

کیونکہ قلب سے کثافت کا پردہ اُٹھ جاتا ہے۔ اور رُوح جن عالموں میں سیر کرتی ہے اُن کا عکس مثلِ آئینۂ قلب منعکس ہونے سے اِنسان شعور سے مشاہدہ کرنے لگ جاتا ہے۔ لیکن ایسے واقعات کے لیئے لازم ہے کہ سالک اِن اَسرار کو سینہ میں پوشیدہ رکھے۔

منزلِ ششم لطیفۂ قلب داں
ہست بالا تر زِ عرشِ ایں مکاں

چھٹی منزل لطیفۂ قلب ہے۔ یہ مقامِ قلب عرش سے بالا تر ہے۔ حقیقتاً قلب بظاہر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے۔ لیکن اِنسان کی عظمت و مرتبت اِسی قلب کے ذریعے اُسے عطا کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط کی خصوصیت اِنسان کو عطا کی وہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا (یعنی ہم نے آدمؑ کو تمام اَسرار سے آگاہ کیا) کی خصوصیت تھی۔ جو اُسے رُوح کے ذریعہ (وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) (ہم نے آدمؑ میں اپنی رُوح، علم حاصل کرنے

---

[1] ایک بار حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ مجھے اپنے قلب میں کُل عالمِ سمٰوات والارض اور ہشت جنّت نظر آتے ہیں۔ تو حضورؐ نے تصدیق فرمائی کہ ایسا ہی ہے۔ لیکن یہ عالمِ ستر ہے۔ اِس کو سینہ میں پوشیدہ رکھو۔

کے لیے پھونکی) حاصل ہوئی۔ اور رُوح کے لیے قلب ہی کو مخصوص کیا گیا۔ جس کا اِس روح سے تعلق ہے۔ اِسی لیے قلب کو عرشِ اللہ کہا گیا۔ کہ یہ مقام رُوحی کا ہے۔ لطیفہ کے معنی نُور۔ یعنی قلبی نور۔ جب سالک اِس مقام پر پہنچتا ہے۔ تو اُس پر اِس رُوح اور قلب کی وُسعت کا راز مُنکشف ہو جاتا ہے۔ کہ اِس نورِ قلب میں "مِنْ رُوحِی" کی اصل کیفیت کیا ہے۔

یعنی از دُنیا تا عرشِ مجید
ایں قدر بالامکاں ہست آں بعید

یعنی اِس لطیفۂ قلب کا نور اِس قدر وسیع ہے کہ جتنی وُسعت دُنیا سے لے کر ہفت سماوات، کُرسی اور عرش تک ہے۔ اِس مقام میں کُلّ رُوحٌ مِّنْ اَمْرِ رَبِّی کے اَمر کی کیفیت سالک پر عیاں ہو جاتی ہے۔ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا کا بیان اِس اَمر کا شاہد ہے۔ کہ مخاطب الکفار۔ رُوح کے متعلق سوال کرنے والے تک اِس رُوح کا علم نہیں پہنچا اِلَّا قَلِیْلًا مگر تھوڑا جس پر اُن کے سوال کی بنیاد تھی۔ البتہ صاحبِ علم جسے اللہ نے علم عطا کیا ہو وہ لطیفۂ قلب میں اِس اَمر سے کُلّی طور پر آگاہ ہو جاتا ہے۔

ہر کسے از سالکاں آنجا رسید
عیسوی مشرب ملقب شُد پدید

جو کوئی سالک اِس مقام تک پہنچا اُسے اِصطلاحِ طریقت میں عیسوی المشرب کہا جاتا ہے۔ یعنی اِس مقام میں سالک پر وہ راز مُنکشف ہو جاتا ہے جس کا ذکر قرآن نے قصۂ حضرت مریمؑ (آل عمران) میں کیا۔ وَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا یعنی ہم نے



حضرت مریمؑ میں اپنی رُوح پھونکی جو رُوح ازل سے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے لیے مقرر کر رکھی تھی۔ وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا اور حضرت عیسےٰؑ کا رُوح سے بنانا ہمارے ارادہ ازلی میں پہلے ہی سے مقرر تھا۔

یعنی رُوحُ القُدُس حضرتِ عیسیٰ خود
پیشِ اُو حاضر شود از فضلِ اَحد

یعنی حضرت عیسیٰؑ رُوحُ القُدُس (ملائکہ صفت رُوح) کی حیثیت سے سالک کے سامنے آتے ہیں۔

بحث کم آرم زِ زحمت ہم ز شکل
ایں بہ مردانِ عقل آید نے بہ نقل

اب مَیں اِس بحث کو مختصراً بیان کرتا ہوں۔ کہ اِن آثار و کیفیات کے نوری رنگ اور ہیئتیں کیا ہیں۔؟ کیونکہ یہ کیفیتیں تحریر و کلام کے ذریعہ عقل میں سما نہیں سکتیں۔ یہ کیفیتیں عقل کی بجائے قلب و شعور کی چیزیں ہیں۔ ایسی بحث سے عام لوگ نہ راہ پا سکتے ہیں نہ اُنہیں تسلیم کر سکتے ہیں۔ بلکہ ڈر ہے کہ ایسے گندم نما جو فروش مصنوعی وِلایت کا دعویٰ کرنے والے۔ ایسی کیفیتوں سے لوگوں کو گمراہ کر کے اپنی دُنیوی لذّت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ یہ مصنوعی فقیر، صراطِ مستقیم کے موڑ پر راہنمائی کا لباس پہنے بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آسمانوں سے کان لگائے رہتے ہیں۔ کہ کوئی حیلہ بے علم لوگوں کو گمراہ کرنے کا ملے۔ اِن کی مثال ایسی ہے۔ وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیٰطِیْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ہم نے آسمانِ دُنیا کو چراغوں سے سجایا۔ اور بنائے

آتشین شعلے اِن شیطانوں کے لیے (جو کان لگا کر ملکوتی عالم کی باتیں سُننے کی کوشش کرتے ہیں) اور ہم نے اُن کے لیے شدید عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہی کیفیت اِن غرض پرست فقیروں کی ہے۔ جو فقیری کی من گھڑت باتیں سنا کر سیدھے سادھے عوام کو غلط راہ پر لے جا کر صرف اپنی ہوس پوری کرتے ہیں۔ مبادا۔ ایسے (غرض پرست) لوگ اصل راہ کی کیفیتیں سُن کر (بظاہر) اصل علم لوگوں کو بتانا شروع کر دیں۔ اور اُن پر اپنا اثر جمائیں۔ اس لیے ان کیفیات کی اصل سے فی الحال احتراز کیا جاتا ہے

## منزلِ ہفتم لطیفۂ سرِّ بدان
## ہست بالا تر اَز وہم ایں مکان

ساتویں منزل لطیفۂ سرّ سے موسوم ہے۔ کہ یہ اللہ تعالےٰ کے اَسرارِ نوری کی ایک پوشیدہ کیفیت ہے جو مُشاہدے سے تعلق رکھتی ہے۔ وہم و عقل و ذہن میں اِس کیفیت کی شکل کو نہیں لایا جا سکتا۔

آں قدر بعدے کہ کردم من بیاں
میشود در سرِّ سالک آں عیاں

جس قدر منزلِ اوّل سے منزلِ ششم تک بیان کیا گیا۔ اُسی قدر اِس ایک لطیفہ کی منازل کی مُسافت و وُسعت ہے۔ اِسی انداز سے ایک سالک کو اِس لطیفۂ سرّ میں بے شمار وسیع کیفیاتِ نوری کا مشاہدہ ہوتا ہے۔

ہر کسے در سیر گردد ایں مکاں
مشربِ ابراہیمیؑ گویند سالکاں

جو کوئی اِس مقام کی سیر کرنے والا ہو۔ اُسے مشربِ ابراہیمی کہا جاتا ہے۔



## حضرتِ ابراہیمؑ جدُّ الانبیاءؑ
## رُو نماید مے دہد اُو را لقا

اِس مقام پر حضرتِ ابراہیمؑ جدُّ الانبیاء، اپنی تمامی رُوحانی خصُوصیات کے ساتھ زیارت سے مُشرّف فرماتے ہیں۔

## منزلِ ہشتم لطیفۂ رُوح ہست
## دَاں کلیدِ مخزنِ اسرارِ الست

آٹھویں منزل لطیفۂ رُوح کہلاتی ہے۔ جاں کہ اِس منزل میں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کے اَسرارِ منکشف ہو جاتے ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ کے ازلی اِرادوں میں سے ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اَزل میں آدمؑ و اولادِ آدمؑ سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟) پر اپنا رب تسلیم کرنے کا وعدہ لیا تھا۔

ہر کسے اَز سالکاں آنجا رسید
مُوسوئؑ مشرب ملقب شُد پدید

سالکوں میں سے جو کوئی اس مقام تک پہنچتا ہے مُوسوی مشرب کہلاتا ہے

حضرتِ مُوسٰےؑ کلیمُ اللہ بداں
ظاہر گردد پیش اُو روشن عیاں

اِس مقام پر حضرتِ موسٰےؑ کلیم اللہ اپنی روحانی خصُوصیات کے ساتھ سالک پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اِس مقام پر سالک کو بھی یہ خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ کہ (اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل) سالک کا عصا اژدھا بن جاتا ہے۔ اور ہاتھ یدِ بیضا کی طرح روشن ہو جاتا ہے۔

بعدِ اُو ہم ایں قدر باشُد عیاں
کز اندازہ سَیرِ سالک نشد عیاں

اِس کے بعد سالک کے مشاہدے میں اِس قدر وسیع مقامات آتے ہیں جتنے سالک نے اِس سے پیشتر مقامات و منازل طے کئے ہیں۔

منزلِ نہم لطیفۂ نفس داں
نامِ اُو خفی نہادہ سالکاں

نویں منزل لطیفۂ نفس ہے۔ سالکوں نے اِس مقام کے اَسرار کو قطعاً پوشیدہ رکھا ہے۔ کہ ہر سالک سے اِس مقام کے اَسرار پوشیدہ رکھنے کے لئے وعدہ لیا جاتا ہے۔ یہ مقام ایک وسیعُ القلب سالک کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ جس کے قلب میں راز پوشیدہ رکھنے کی پُوری صلاحیت موجود ہو۔ یہ مقام شاذ ہی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اِس لئے اِس مقام کی تفصیل بیان کرنے میں تامّل ہے۔ صرف اتنا ہی کافی ہے۔ کہ

ہر کسے اَز نفس شُد محواہ فناہ
آدمی مشرب مُلقّب شد ز راہ
یعنی حضرتِ آدمؑ عِلّةُ الوُجُود
رُتبۃُ الوَجہش شُد اَندر شہود

جو کوئی سالک اِس مقام میں اپنے نَفْس کو فنا کر دے۔ وہ اِس راہ کا آدمی المشرب کہلائے گا۔ اِس پر حضرت آدمؑ کے تخلیقی راز اور ابتدائی پیدائش کے آثار ظاہر ہوں گے کہ حضرت آدمؑ کا وجود کیسے تخلیق ہُوا۔



بعدِ اُو ہم ایں قدر باشد ضرور
کز طریقے فکر گر گردی شعور

اِس کے بعد کے مُقامات کی وُسعت اِس قدر ہے۔ کہ اگر تیرا شعور ان مُقامات کی اِنتہا کو پانے کی صلاحیّت رکھتا ہے۔ تو یہ مقام اِس سے بھی نہایت وسیع ہے۔

منزلِ دہم لطیفۂ اَخفیٰ گشت
از ہمہ اَطوارِ منزل اعلیٰ ہست

دسویں منزل لطیفۂ اخفیٰ ہے۔ یہ منزل تمام منازل سے اعلیٰ و ارفع ہے۔

ہر کسے اَز سالِکاں رُفت آں مکاں
محمدیؐ المشرب مُلقّب شُد آں زماں

جو کوئی سالک اِس مقام کو پہنچا۔ وہ محمدیؐ المشرب کہلائے گا۔ یہی مقام فنافی الرّسُولؐ کی انتہا ہے۔

یعنی ہادیٔ حق حضرت شاہ رسلؐ
ظاہر گردد منبع انوارِ سُبل

یعنی یہاں پر امامُ الانبیاء۔ ہادیٔ حق۔ سردارِ انبیاء منبعِ نُورِ معرفت صلی اللہ علیہ وسلم

---

ﻠﮧ اِن لطائف (انوار) میں خصوصی انبیاء۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت عیسٰیؑ۔ حضرت موسٰیؑ۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ یہ زیارت جلالی ہے۔ اِس سے قبل آسمانوں کی سیر میں بھی انبیاء کی اور اوّل اَجلاسِ محمّدی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی

اپنی نوری خصوصیات کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔

**بعد اُو ہم ایں قدر کہ گفتہ شُد**
**کز اندازہ ظاہر آید از سند**

اِس کے بعد اتنے مراحل و مقامات۔ جو نہایت بسیط اور وسیع ہیں کہ اِن کا کچھ اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ گویا جتنے مقام اب تک سالک طے کر آیا ہے۔ اُتنی وسعت اِس ایک مقام کی ہے۔ جس کا مشاہدہ سالک کے لیئے لا انتہا کا درجہ رکھتا ہے۔

**رنگ ہر یک را بیاں آرم اَلاَماں**
**گرچہ اَوّل نفی کردم از بیاں**

اِس سے قبل اگرچہ اِن مقامات کے لطائف (انوار) کے رنگ بیان کرنے میں نفی کی گئی مگر اب چونکہ سالک اِن مقاماتِ وَلایت کے اسرار کو فہم میں لا چکا ہے۔ اور احتمال نہیں کہ کسی گندم نما جو فروش سے دھوکا کھا جائے۔ کیونکہ ایسے مقامات کا دعویٰ سوائے ولیِ کامل کے کوئی بندۂ ہوس کرنے کی جرأت نہ کر سکے گا۔ کیونکہ ایسا شخص صاحبِ کمال و کرامات ہونا چاہیئے۔ جو عینی مشاہدے کے ساتھ کسی طالب کو اپنے کمالات کا مشاہدہ کرائے۔ اِس لیئے اُن انوار کے رنگ بھی بتائے جاتے ہیں۔

---

بقیہ گذشتہ صفحہ سے

ہے۔ یہ جمالی انوار ہیں۔ اِن میں طمانیت ہوتی ہے۔ اور عام آدمی اِس کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اِن مشاہدوں میں انبیاء کے انوار ہوتے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں مقرر کیے گئے ہیں۔ کہ اِن انوار سے اُن کی رُوحیں بنائی جائیں گی۔



**رنگِ اوّل سبز داں تو از اُصول**
**کاں مقصد ہست از اصلُ الاُصول**

پہلا رنگ نُور کا سبز ہے۔ یہ رنگ اصل حقیقت کی ایک جھلک ہے۔ اِس رنگ کی نسبت نورِ عیسویؑ سے ہے۔ یعنی لطیفۂ عیسوی۔ جو مشربِ عیسوی میں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس نور کا سبز رنگ مشاہدے میں آتا ہے۔

---

لہ سبز نُور: واضح ہو کہ جب طالب عالمِ ناسوت میں کیفیات کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُس کے سامنے مختلف قسم کے انوار آنے شروع ہوتے ہیں۔ اگر طالب صاحبِ فہم و شعور ہو تو پیرِ اکمل کی راہنمائی میں اُسے ہر کیفیت کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے۔ اِن انوار میں بعض قوتی نور ہوتے ہیں جنہیں انسان غلط وہم اور اپنی عقلی تاویل کے باعث اللہ کا نور گمان کرنے لگ جاتا ہے۔ اور شیطان انہیں انوار کی آڑ میں ولی کی عقل کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتا ہے۔

——— لیکن یہ انوار عالمِ ناسوت کے ہوتے ہیں۔ یہ کیفیاتِ نوری ولایت میں شامل نہیں۔ اِسی طرح طالب کو ابتداء میں سبز، نور، سُرخ، نیلگوں یا سفید انوار نظر آتے ہیں۔ دراصل یہ لطائف لطائفِ قلب (قلب کے نور) سے تعبیر ہیں۔ اِس قسم کے انوار بعض ذکر کرنے والوں کو بھی مشاہدے میں آتے ہیں۔ اور بعض ایسے لوگ جنہیں ولایت کا درجہ حاصل نہیں (یعنی عالمِ ملکوت میں داخل نہیں) مگر یہ لوگ پیری مُریدی کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں۔ بیعت بھی کرتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ ھُو کا ذکر یا نفی اثبات کا طریق ضرب کے ساتھ بتاتے ہیں۔ یا حبسِ نفس یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کو سانس کے ساتھ پڑھ کر دل پر ہُو ہُوم ضرب لگاتے ہیں۔ اور سانس بند کرکے کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔ اِس کی میعاد ایک گھنٹہ سے کر

## مثلِ یک دریائے سبز از موجہا
## یک سمندر ہست ظاہر بے بہا

یہ نُور مثل ایک دریائے ذخار کے ہے۔ جس سے سمندر کی موجوں کی مانند لہریں اُٹھ کر طالب کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔ اور طالب اِن موجوں میں فنا ہو کر بیخود ہو جاتا ہے۔ اِس فنا کو۔ فنائے عیسیٰ کہتے ہیں۔ اِسی لیئے اُسے عیسوی المشرب کہا جاتا ہے۔ اِس مقام بیخودی میں طالب اَنَا عیسٰی بیخودی میں پکارتا ہے۔

یہ مقام حیرتِ حقیقی ہے۔ اِس مقام پر جو کچھ حضرت عیسےٰ علیہ السلام پر واردات گذریں سب سالک پر منکشف اور وارِد ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ نَفخِ رُوح مُردہ کلامِ فِی المَھدِ یعنی گود میں کلام کرنا۔ مُردہ زندہ کرنا۔ بیمار اچھے کرنا وغیرہ۔ سب سالک سے ظاہر ہوتے ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

---

چوبیس گھنٹے اور بعض میں ایک ایک ہفتہ تک سانس بند کرنے کی قوت بڑھ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں میں مافوقُ الفطرت قوت پائی جاتی ہے۔ انہیں بھی عالمِ ناسوت کی نورانی کیفیات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ —— ایسی حالت میں جب ذِکر کی حالت میں قلب پر ضرب (چوٹ) دی جائے۔ تو اُس پر انوارِ قلب کا آپس میں ٹکراؤ ہو جاتا ہے۔ قلب میں بھی سبز۔ سُرخ۔ نیلا۔ سفید نُور پایا جاتا ہے۔ انہیں انوار کے ٹکراؤ میں جب ایک شخص کا قلب لطیف ہو جاتا ہے تو انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ بعض لوگ جو طریقِ طریقت کے حامِل نہیں ہوتے۔ صرف فاقے کرتے۔ رات کو جاگتے اور جسم پر محنت ڈالتے ہیں۔ انہیں بھی انوار نظر آتے ہیں۔ یہ انوار بھی قلب کے لطائف اور عالمِ ناسوت کی چند منزلوں



## رنگ دوئم داں سفید از برف تر
## کز بہارے لایزال آمد اُثر

دُوسرا رنگ سفید مثلِ برف روشن ہے۔ کہ اِس میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار تجلیات و تدلیات کا نزُول ہوتا ہے۔ اِس رنگ کی لطیفۂ ابراہیمیؑ سے نسبت ہے۔ اِس نُور میں جب سالک کی رُوح جذب ہو جاتی ہے۔ تو اُس پر تمام احوال و آثارِ ابراہیمیؑ طاری ہوتے ہیں اور جو کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر مشاہدات اور واردات اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارِد ہوئیں تمام سالِک پر منکشف ہو جاتی ہیں۔

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

---

کے انوار ہوتے ہیں۔ ایسی کیفیاتُ وِلایت میں شامل نہیں البتہ ایک طالبِ صادق جب پیرِ اکمل کی راہنمائی میں عمل کرتا ہے۔ تو اُس کا عمل احسن ہوتا ہے۔ اُسے اِن انوار کے مشاہدے میں شیطان کی گمراہی کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اور یہ عمل اور لطائفِ قلب۔ اِس کے قلب کی اصلاح کرتے ہیں۔ ایسے طالب کو کبھی سبز۔ کبھی سُرخ۔ کبھی نیلگوں اور کبھی سفید رنگ کا نُور مشاہدے میں آتا ہے جب اِس کے قلب کی پوری اصلاح ہو جائے۔ اور طالب عالمِ ملکوت میں اجلاسِ محمدیؐ میں داخل ہو جائے تو اُسے مستقل سفید رنگ کا نُور مشاہدے میں آتا ہے۔ البتہ ایسے مُبتدی طالب پر کبھی قلبی کثافت دوبارہ ہو جاتی ہے۔ وہ اُس وقت بھی سبز سُرخ نُور دیکھتا ہے۔ یہ کیفیتیں ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔

مذکورہ بالا مشرب کے انوار اِن ابتدائی انوار سے مختلف ہیں۔ یہ بالائی منازل میں انتہائی قوت کے انوار ہوتے ہیں۔ ایسے انوار مستقل ہوتے ہیں۔ جو قوی لطافت قلبی پر ہی مشاہدے میں آتے ہیں۔

اس نوری فنا کو مشربِ ابراہیمیؑ سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

رنگِ سوم مثل زر جلوہ زدہ
ہمچو بحر موج در موج آمدہ

تیسرا رنگ سنہری نور کا ہے۔ یہ نور بھی سمندر کی موجوں کی طرح اُمڈتا چلا آتا ہے۔ اور سالک اس میں غرق ہو جاتا ہے۔ یہ نور لطیفۂ آدمی کہلاتا ہے جب سالک اس نور میں غرق ہو جاتا ہے۔ تو اُسے مشربِ آدمی سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

رنگِ چہارم نیلگوں باشد عیاں
ایں چنیں از سالکاں آید بیاں

چوتھا رنگ نیلا کھلا ہوا ہوتا ہے۔ اس نور کی نسبت موسوی نور سے ہے۔ سالک اس نور میں فنا ہو کر موسویؑ المشرب کہلاتا ہے۔

رنگِ پنجم داں سیاہ۔ بحرِ عمیق
از برائے سالکاں جائے غریق

پانچواں رنگ ایک سیاہ سمندر کی مانند لطیف نور ہے۔ سالک اس نور میں اکثر دیر تک گھرا رہتا ہے۔

یعنی در نورِ سیاہ احمدی
ہر کے کو شد فنا از خوش دلی
میشود از دیر بیروں آں شفیق
چوں شود فضلِ خدا اورا رفیق



اندریں پختہ گردد از وجود
تانکہ جانِ او دائم ماند در شہود

یہ نورِ سیاہ۔ نورِ محمدیؐ سے تعبیر ہے۔ اسے اصطلاحِ طریقت میں لطیفۂ محمدیؐ یا لطیفۂ اخفیٰ بھی کہتے ہیں۔ اگر کوئی سالک اس نور میں فنا ہو جائے۔ تو وہ اس نور سے بہت دیر کے بعد نکلتا ہے۔ جاننا چاہیئے۔ کہ حصولِ عرفانِ الٰہی میں مقصود قُربِ الٰہی اور مراتب کا پانا ہوتا ہے۔ اور مشاہدہ (کشف) ان مراتب کے علم کے لیئے ہوتا ہے۔ کہ طالب اپنے مراتب سے آگاہ ہوتا رہے یعنی جب انسان اپنے لیئے عبادت تصوّر کرتا ہے۔ تو عبادت سے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس عبادت کے نتیجے میں مجھے جنّت یا قربِ الٰہی حاصل ہو گا۔ جیسا آیتِ قرآنی سے بھی ظاہر ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ یہ وہ کتاب ہے کہ اس میں شک نہیں کہ پہنچانے والی ہے۔ ڈرنے والوں کو، بدی سے پرہیز کرنے والوں کو اُن کے مطلوب تک' ڈرنے والے لوگ وہ ہیں جو اپنے انجامِ آخرت سے ڈرتے ہیں کہ ہم اپنے مقصود کو پانے میں رہ نہ جائیں۔ اور ہمیں اپنے انجام میں عبادت سے کوتاہی کے نتیجہ میں عذاب و ذلت نہ ہو۔ تو وہ لوگ اپنے مقصود کو پانے کے لیئے صراطِ مستقیم تک پہنچنے کے لیئے قرآنی احکام پر عمل کریں۔ تو یہ کتاب راس کے بتائے ہوئے طریق و احکام کے ذریعے انہیں اپنے مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔ کیونکہ انسان کی پیدائش کا مقصد یہی ہے۔ کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ۝ اللہ تعالٰی نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لیئے۔ انہیں خلیفہ کی

حیثیت میں اِس لئے ہی پیدا کیا۔ کہ وہ ملائکہ سے بہتر تسبیح و حمد کا مظاہرہ اپنی عبادتوں میں کریں۔ تو انہیں اِن عبادات کے نتیجہ میں معرفتِ الٰہی حاصل ہوگی سو جو شخص جتنی عبادت کرے گا۔ اسے اُسی قدر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ یہ ثواب بظاہر محسوس نہیں ہوتا۔ کہ کس عبادت کا ثواب کتنا ہے۔ یہ ثواب عمل کے ساتھ ہی انسان کو مل جاتا ہے۔ لیکن یہ ثواب دُنیا میں نہیں پایا جاتا کہ انسان اِس عمل کو پائے۔ کیونکہ دُنیا میں اِس کے سمانے کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ ایک عمل کا نتیجہ جب محسوس میں نہ آئے تو اُس کی ہیئت نوری ہوتی ہے۔ نور نہ تو دیکھنے میں آتا ہے نہ ہی مادّے میں اِس کے سمانے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اِس لئے اِس ثواب کا وجود ایک غیر مادّی عالَم میں موجود ہوتا ہے۔ گویا ثواب کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ انسان عبادت کرے اُس کا ایک بدل (اجر) ہوتا ہے۔ جس طرح دانہ زمین میں رہ کر درخت کی صورت اختیار کر جاتا ہے۔ اِسی طرح انسان کے ہر عمل کا بدل عمل کرنے کے ساتھ ہی قائم ہو جاتا ہے۔ اور یہی عمل اُس کے لئے عالَمِ غیر مادّی میں مقامات حاصل کرتا ہے۔ یہی مقامات اپنے ثواب میں آخرت (عقبیٰ) میں پاتا ہے۔

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ آخرت میں تمہارے لئے جنّت یا معرفتِ الٰہی تمہارے عمل پر منحصر ہے۔ جس قدر دُنیا میں عمل کرو گے اُسی قدر پاؤ گے۔ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ۔ جو کچھ تم نیک عمل آخرت کے لئے بھیجو گے وہی اللہ سے پاؤ گے۔ (الم پارہ اوّل۔ سورۃ بقرہ۔ آیت ۱۱۰)

یہ عمل اور نتیجہ ہر شخص کے لئے مقرر ہے۔ ایک شخص جیسا عمل کرے اُسی عمل کے مطابق باطن (عقبیٰ) میں مرتبہ پاتا ہے۔ اب جسے مُشاہدہ حاصل نہیں وہ اپنے



مُراتب دیکھ نہیں سکتا۔ لیکن طریقِ طریقت میں زائد عبادت پر عمل کرنے سے انسان اپنے مُراتب کو دیکھ لیتا ہے۔ یہی طریقِ عمل جسے شریعت پر عمل کرنے میں مُراتب ملیں اور وہ زائد عبادات کے ذریعہ اپنے نتیجہ کا مُشاہدہ کرے طریقت سے تعبیر ہے۔ یہ طریق سوائے پیرِ اکمل حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ طریق اگرچہ قرآن نے پیش کیا ہے۔

لیکن اِس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی اور وحیِ خفی کے ذریعہ تربیت شامل ہے۔ کیونکہ اِس طریق میں مُشاہدہ کی کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ اور مشاہدہ کی کیفیات ظاہر نہیں۔ بلکہ عالَمِ باطن میں ہوتی ہیں۔ اِس لئے یہ کیفیات ظاہر نہیں۔ کہ قرآن (وحیِ جلی) میں شامل ہوں۔ چونکہ یہ طریق مخصوص طریق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہی پیش کیا گیا ہے۔ اِس کا ثواب چونکہ باطن میں ہے اِس لئے اِس طریق کی کیفیات اور ترتیبِ وحیِ خفی بھی پوشیدہ ہی ہوں گی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ چونکہ اِس کا تعلق صرف مُشاہدہ سے ہے اِس لئے ایسے واقعات قرآن و حدیث یا صحابہؓ سے ظاہراً منقول نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہ طریق ہر صاحبِ مُشاہدہ کے لئے خفی طور پر ہی مُشاہدہ میں رہیں گے۔

یہ طریقِ مشاہدۂ نتیجۂ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے تعلق رکھتا ہے۔

یعنی یہ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رسالت سے قبل کا شغل ہے۔ آپؐ نے اپنی ابتدائی زندگی سے ہی تنہائی، فاقہ، کم گفتنی۔ رات کا جاگنا۔ یکسوئی۔ استغراق اور غارِ حرا کی چلّہ کشی میں صرف ایک تصوّرِ حقیقی ذاتِ الٰہی کا شغل رکھا جس کے نتیجہ میں آپؐ کو مشاہدۂ انوار و تجلّیات اور مشاہدۂ ذاتِ الٰہی حاصل ہوا۔ اِسی مشاہدہ سے آپؐ کو ابتدائے رسالت پر وحی کا مُشاہدہ و نزول حاصل ہوا۔ بعدِ رسالت

آپ کو تبلیغ و انذار کی مصروفیت کی وجہ سے تصور و مراقبہ کیلئے یکسوئی و استغراق کا پورا وقت میسّر نہ ہو سکا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل آپ کا پسندیدہ عمل تھا اِس لیے بعد رسالت بحکم خداوندی زیادہ عبادت کی صُورت میں اللہ تعالےٰ نے آپ کے مرغوب اور پسندیدہ عمل کو پھر سے جاری کر دیا۔ یٰاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ اے کمل اوڑھے اُٹھ رات کو رجاگ) مگر تھوڑا نِصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ۝ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ط رات کا آدھا! یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے چاہے اِس میں کم کریں یا زیادہ آپ کو پسند ہو۔ اور قرآن پڑھیں۔ تحقیق ہم آپ پر ایک شدید بات القا کرنے والے ہیں۔ یہ شدید بات وَحیِ خفی میں شامل ہے۔ کیونکہ قرآن کی وحی جاری تو ہو چکی ہے۔ اِس لیئے یہ شدید بات ظاہر نہیں تو خفی ہی ہو سکتی ہے۔

پھر دوبارہ حکم ہُوا۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ط عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سُورج گھڑے کی مانند ہوتا ہے۔ رات گھری ہونے تک۔ اور صبح کو قرآن پڑھیں۔ تحقیق صبح کا قرآن پڑھنا مُشاہدے میں آتا ہے۔ اور رات کو نماز پڑھیں۔ یہ عبادت آپ کے لیئے (احکام سے علیحدہ) زائد عبادت میں شامل ہے۔ تاکہ آپ کا رب عنقریب اِس عمل سے مقامِ محمود تک پہنچائے۔ کہ آپ قیامت تک حمد کئے جائیں۔

---

لے سَنُلْقِیْ (شدید بات) القا ہے۔ یہ اشارہ آپ کے جمالی معراج کی طرف ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی جمالی حالت میں [illegible] کا مشاہدہ ان آنکھوں سے [illegible] اس حال میں [illegible] تجلیات کی شدت سے [illegible]



اِن آیات میں تلاوتِ قُرآن۔ رات کا جاگنا۔ دو زائد احکام دیئے گئے ہیں۔ اور اِن دونوں کا نتیجہ عمل بتایا گیا ہے۔ قیامِ لیل کا نتیجہ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِیْلًا ط رات کا جاگنا ایک شدید عمل ہے۔ اِس سے نفس (جسم) کی کثیف آلائشیں کُھل جاتی ہیں۔ (یہ شدید سخت ہے اور نفس کو کچلنے والا) اور رات کے جاگنے کے ساتھ جب جسم لطیف اور مُزکّیٰ اور رُوح قوی ہو جائے تو اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ط صبح کے وقت قرآن کا پڑھنا مشاہدے میں آجاتا ہے۔ یعنی صبح کے وقت جو کچھ قرآن سے پڑھا جائے۔ اِس کے نتیجہ عمل میں انوار پیدا ہوتے ہیں۔ یہ انوار مُشاہدے میں آتے ہیں۔ یہی طریق ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری ہُوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عُشاق نے بھی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زائد عبادت کی حیثیت سے اِس پر عمل کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع نہیں فرمایا۔ بلکہ اجازت دے دی۔ اور جو کیفیات اِس خاص الخاص جماعت کو مشاہدے میں حاصل ہوئیں۔ وہ وَحیِ خفی میں شمار ہیں۔ اور اِنہی عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی میں اپنی جانوں پر محنت ڈال کر انتہائی مقامِ معرفت حاصل کیا۔ اِنہی خلفائے رسول اللہ نے اِس وَحیِ خفی کو اُمّت میں جاری کیا چونکہ یہ طریق وَحیِ خفی میں شامل ہے۔ اِس لئے ظاہراً اِس کا کوئی ثبوت نہیں دیا جا سکتا۔ یہ عمل خاص الخاص بندگانِ خدا کا ہے۔ اِس لیئے اِس کا تعلق مُتشابہات سے ہے۔ جس کا ثبوت مُشاہدے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ یہی طریق طریقت سے موسوم ہے۔ کہ یہ طریق اصحابِ رسول اللہ کی مخصوص جماعت (وَ طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ) کا طریقِ عرفان و مُشاہدہ ہے۔ جو عمل کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ اِس طریق

میں ایک طرف رات کا جاگنا۔ تزکیہ کرنا۔ تنہائی۔ یکسوئی میں قُرْاٰنَ الْفَجْرِ تلاوتِ قرآن کا وظیفہ شامل ہے۔ یہ طریق ایک خلیفۂ رسول اللہؐ پیرِ اکمل سے وحیِ خفی کے تابع حاصل ہوتا ہے۔ پیرِ اکمل اِس علم سے واقف ہے۔ راہِ عرفان سے واقف ہے۔ اور ایک طالب کو اُس کے مقصود تک پہنچانے میں راہنمائی اور تزکیہ اور حصولِ علم کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت اور تقلید قیامت تک جاری رہے گی۔ اِسی طریق سے مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تکمیل ہوگی۔ اس لئے یہ طریقِ طریقت اگرچہ قرآن کے احکام و شریعت میں شامل ہے۔ لیکن چونکہ اِس میں زائد عبادت اور نتیجۂ عمل کو وحیِ خفی (پوشیدہ مُشاہدہ) کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ اِس لئے یہ طریق شریعت سے الگ نہیں مگر زائد عمل میں شامل ہونے کی وجہ سے وحیِ جلی سے علیحدہ محسوس کیا جاتا ہے۔ اِس طریق میں زائد عمل ایسا ہے جو احکام فرض سے زائد ہے۔ اور قرآن نے مُجملاً اِس طریق کو پیش کیا۔ مگر حضورؐ نے اِس عمل و حکم کی وحیِ خفی کے ذریعے تعلیم دی۔ اِس لئے یہ شریعتِ ظاہری سے الگ محسوس ہوتا ہے۔ ورنہ یہ طریق قطعی قرآن کے اَحکام میں شامل ہے۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ تحقیق اللہ جانتا ہے کہ آپ اُٹھتے ہیں رات کو تھوڑا



تیسرا حصہ رات اور کبھی نصف رات اور کبھی تین چوتھائی رات۔ اور ایک جماعت بھی اسی طرح اِس زائد عبادت میں آپ کے شریک ہے اللہ کو رات اور دن کی کیفیت کا اندازہ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ آپ کے ساتھ اشتراکِ عمل کرنے والے کبھی پورے نہ اُتر سکیں گے۔ پس پڑھو اتنا ہی۔ جتنا میسّر ہو سکے۔ وہ اللہ جانتا ہے۔ کہ اُن میں کبھی لوگ بیمار ہوں گے۔ اور بعض لوگ کاروبارِ دنیوی میں محنت کر کے تھک بھی جاتے ہیں۔ اور بعض اوقات جہاد بھی کرنا ہوگا۔ تو رات دن کی لگاتار جہد میں۔ اِس زائد عبادت سے اُنہیں جسم پر زیادہ بوجھ ہوگا۔ اس لیئے اللہ ان لوگوں سے رعایت کرتا ہے۔ پس پڑھیں قرآن۔ جتنا اُن سے ہو سکے تو میں تھوڑے عمل پر زیادہ اجر دوں گا۔ اِس لیئے قرآن میں آسانی یہاں تک ہے۔ کہ بجائے تمام قرآن پڑھنے کے اگر انسان فرصت نہیں پا سکتا۔ تو اُس کے لِئے اَللّٰهُ الصَّمَدُ یا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ یا اَللّٰهُ اَحَدٌ۔ غرض ایک حرفِ قرآن بھی مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ میں آ سکتا ہے۔ یہی رعایت وظیفہ اور اللہ کے اَسماء کا تعداد کے ساتھ وِرد کرنا۔ فقر یا طریقت سے تعبیر ہے۔ اِس کے لِئے وظیفہ کا تعیّن اور ارشادِ پیرِ اکمل کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ کہ پیرِ اکمل کو حرفِ قرآنی کا علم اور اُس کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کس حرف یا کلمہ میں کتنا نتیجہ (نور) پیدا ہوتا ہے۔ سو پیرِ اکمل وظیفہ کی صورت میں آیاتِ قرآنی کی تلاوت یا دُرود شریف جس کا سب سے بڑا نتیجۂ عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا حدیث مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ وَاحِدً[1] صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا۔

---

[1] جس نے ہم پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اُس پر دس بار رحمتیں نازل کرتا ہے۔

ویسے ہر حرف کا اُسی حُرف کے مطابق نتیجہ ہے۔ یہ قرآن کے ہر حرف کا ایک ثواب ہے۔ لیکن درُود شریف کا دس درجہ بلکہ دس سے بھی زیادہ ثواب اللہ تعالےٰ کی طرف سے خاص طور پر انعام دیا جاتا ہے۔ اِس لیئے ماسوئی باقی کلمات کے وظیفہ کے بہتر وظیفہ درُود شریف ہے۔ کہ اِس کا نتیجہ نورِ محمدی ہے۔ اور درُود شریف پڑھنے سے طالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری توجہ میں آکر زیارت رسولؐ اللہ سے مشرف ہو جاتا ہے۔

جہاں تک سِلسلوں کا تعلق ہے۔ اکثر سِلسلوں میں آیاتِ قرآنی کا وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اور کچھ حصہ درُود شریف کا دیا جاتا ہے۔ قادری سِلسلہ میں بھی قرآنی وظائف کے ساتھ کثرت سے درُود شریف دیا جاتا ہے۔ اور اویسی سِلسلہ میں صرف درُود شریف دیا جاتا ہے جس سے طالب فوراً زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتا ہے۔

یُوں تو ہر شخص جو شریعت پر عامل ہو اپنے مُراتب پا لیتا ہے۔ لیکن جیسے بیان کیا جا چکا ہے کہ صاحبِ نسبت سالِک پیرِ اکمل کی راہنمائی میں مُراتبِ اعلیٰ اور مُشاہدہ حاصل کرتا ہے۔ اِسی طرح جب ایک سالِک منازِلِ فقر میں داخل ہوتا ہے تو اُس کا عمل اُس کی محنت اور اُس کا جذبۂ شوق اُسے تیزی سے مقصُود کی طرف لے جاتا ہے۔ جب سالِک میں پیرِ اکمل کی تابعداری اور عشق اور لگاؤ کا جذبہ تیز ہو جاتا ہے۔ تو اُس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خصُوصی توجہ فرماتے ہیں۔ اِس توجہ سے بے شمار انوار ہوتے ہیں۔ اِسی طرح جب اعلےٰ منازل میں سالِک پہنچتا ہے تو اُسکے جذبۂ حُبّ کے تابع اچانک تجلّیات سالِک پر وارد ہوتی ہیں۔ یہ تجلّیات قوی اور



قوّتِ برداشت سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اگر یہ تجلّیات براہِ راست قلب اور ذہن تک آئیں تو اِنسان برداشت نہ کرنے کی صُورت میں یا تو جاں بحق ہو جاتا ہے۔ یا مجذُوب ہو جاتا ہے۔ ورنہ مشاہدے میں قبض آ جاتا ہے۔ کہ سالِک مشاہدہ کرنے سے رہ جاتا ہے۔

بعض ایسی صورتیں ہیں۔ کہ ایک سالِک پیرِ اکمل کی عنایت سے صرف جذبۂ حُبّ اور اپنے عشق اور دلچسپی کی وجہ سے اگرچہ اُس کا عمل اور تزکیہ بہت کم ہو۔ پیرِ اکمل طالب کو اعلےٰ مراتب تک لے جاتا ہے۔ ایسے وقت میں جب سالِک کا نفس کُھلا (مزکّی) نہ ہو تو مشاہدہ کرتے کرتے اچانک اُسے سیاہ نور ڈھانپ لیتا ہے یہی نُورِ لطیفۂ محمّدی یا لطیفۂ اخفیٰ سے مُوسُوم ہے۔ اِس سیاہ نور میں سالِک اُس وقت تک رہتا ہے۔ جب تک اُس کا جسمانی تزکیہ قوی ہو کر نفس لطیف حالت میں نہ آئے۔

یہی صُورت لطیفۂ اخفیٰ کی ہے۔ کہ اِس مقام پر سالِک کا تزکیہ مکمل اور مُستقل رہنا چاہیئے۔ دُنیوی حصُول کی طرف بہُت کم مائل رہنا چاہیئے۔ ورنہ اگر تزکیہ میں کسی وقت بھی کمی آئی ہو تو۔ میشود از دیر بیروں آں شفیق = اور اِسی حالتِ جذبِ اخفیٰ میں سالِک رُوح و جسم سے پختہ ہو جاتا ہے۔ اور جب اِس نور سے باہر آیا تو صاحبِ کرامت وَلی بن جاتا ہے۔

ہمچنیں داں بیست و پنج منزل اُصُول
کہ بیاں کردن از آں باشد فضُول

اِسی طرح جان۔ کہ پچّیس منزلیں اِن مقامات سے آگے "اصول" کی آتی ہیں۔

اِن کی تفصیل بیان کرنا فضول ہے۔ کہ اِن منازل کی کیفیات عقل و وہم کی حدود میں سما نہیں سکتیں۔ یہ مقام بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ بن کم رلت فقیر ایسے مقامات کی کوئی جزیا تفصیل بیان نہیں کر سکتا۔

ہر کسے کو میرسد آنجا بفضل
گیرد از فضلِ خدا او نیک بدل

جو شخص اِس مقام تک پہنچا۔ اُسے اللہ کے فضل سے کمالِ علمِ لقا حاصل ہوا۔ ایسے مقام پانے والوں میں اَلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَصِدِّیْقِیْنَ وَشُهَدَاءِ والصّٰلِحِیْنَ ہوتے ہیں۔

بعد ازاں داں پنج منزل از ”اظلال“
تا بیابی معرفتِ حق را جمال

اِن پچیس منازل کے بعد اور پانچ منزلیں ہیں۔ انہیں ”اظلال“ کہا جاتا ہے۔ یہاں سے ذاتِ الٰہی کے جلالی انوار کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہاں سے معرفتِ حق کی حضوری ہوتی ہے۔

اندریں داں شش منزل از شیون
تا شوی تو روشن از نورِ بے چون

اِن پانچ منزلوں کے درمیان چھ اور منزلیں ہیں۔ جن میں نورِ باری تعالےٰ کی تجلیات کا نزول رہتا ہے۔ اِن منزلوں کو شیون کہا جاتا ہے۔

بعد ازیں داں ہفت دریا از وصول
کز صفاتِ ذاتِ حق اصل الاصول



اس کے بعد سات منزلیں دریاؤں کی شکل میں محسوس ہوتی ہیں۔ ان میں ذاتِ الٰہی کے صفاتی انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ انہیں ”اصول الاصول“ کہا جاتا ہے۔

بالا ایں ہفت دریا ہست یک دریا کلاں
سبقت رحمتی علےٰ غضبی را نشاں

اِن سات دریاؤں سے اُوپر ایک عظیم الشان وسیع دریائے نور واقع ہے جس میں سالک فنا ہو کر اِس آیت کی تفسیر کے اصل بطن (تفسیر) سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ (قرآن)

”میری صفتِ رحمت میری صفتِ غضب پر سبقت لے جاتی ہے۔“

یعنی آں تا وقتیکہ جوشد از کرم
میشوند ایں جملہ دُروے منعدم

یعنی جس وقت اِس دریائے رحمت میں جوش آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مخلوق پر اپنی رحمت اور معافی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ کہ ہر شخص توبہ سے اپنی مغفرت حاصل کرے۔ ؎

ایں درگہ ما درگہِ نومیدی نیست
گرچہ ہزار بار توبہ شکستی باز بار آ

میری درگاہ پر نا اُمیدی نہیں۔ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ۔ میری رحمت سے نا اُمید نہ ہو کیونکہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ۔ میں اپنے غضب میں بھی رحمت استعمال کرتا ہوں۔ اِس لئے اگر تو ہزار بار توبہ توڑے پھر بھی تو ایک بار مجھے پکارے تو میں تجھے معاف کر دوں گا۔ جب سالک اِس دریائے

رحمت میں فنا ہو جاتا ہے تو وہ خود اسی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔ کہ دشمن کے ظلم پر بھی اُسے فیض پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ الرَّحِیۡمٌ ہ اپنے دشمنوں کی نقصان رسانی پر اُن کی ہدایت و نجات کی دعا مانگی۔ اور شدید کافروں کو عرفانِ الٰہی کی روشنی سے منور کر دیا۔ اس مقام میں سالک جب فنا ہو جاتا ہے۔ تو اُسے تمام منازل اور تمام مخلوق کیفیات اسی نور میں گم نظر آتی ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہی وہ نورِ اول ہے۔ جس سے تمام منازل و مخلوق بنائی گئیں۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوۡرِیۡ۔ اس نور کا نام "محمد" ہے کہ ہر مخلوق ہر شے نوری میں اسی نور کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اور یہ کیفیت میں اسی نور کا سالک مشاہدہ کرتا ہے۔ یہ مقام حقیقی فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ یہی نور قرب ذاتِ الٰہی کا ہے۔ یہی نور ہے جو ازل میں ذاتِ الٰہی کے نور میں طواف کناں حمد کرتا رہا۔ اسی لئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نور سے ذاتِ الٰہی کی ہر شے سے بدرجہ اولیٰ حمد کی تو اَحۡمَدۡ لقب پایا۔ اسی نور کی صفت حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ الرَّحِیۡمٌ ہے۔ اسی نور کی صفت ہے کہ دنیا کا کوئی بشر ہدایت سے خالی نہ رہے۔ خواہ وہ آپ کے دشمنوں سے ہی کیوں نہ ہو۔

آں کسے از سیر گیرد ایں مکاں
غالب فہمد رحمتِ حق بر عوام

یہ اسی نور کا اثر ہے۔ کہ جب سالک اس مقام کو پاتا ہے۔ تو سمجھ لیتا ہے



کہ اس کے بندوں کو اس کی رحمت کبھی نافرمانی کی سزا نہ دے گی۔

پس بداند او کہ از رحمت رحیم
کس نمی سوزد ز عصیاں در جحیم

پس وہ جاننے لگتا ہے۔ کہ اس رحمت کا تقاضا یہی ہے کہ کوئی شخص اپنے گناہوں کی سزا میں جہنم میں نہ ڈالا جائے گا۔ یہ تاثر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کا ہے۔ جس کا ظہور مُحَمَّدۡ و اَحۡمَدۡ کی صورت میں ہوا۔

ایں ہمہ آثار از وحدۃ الوجود
ظاہر آیند سب لکاں اندر شہود

یہ تمام آثار وحدتِ وجود کے ہیں۔ جب سالک ذاتِ الٰہی کے عرفان میں ہر شے مخلوق کا وجود گم اور جذبِ کل میں مشاہدہ کرتا ہے کہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ سوائے ذاتِ الٰہی کے اور نورِ محمدی کے اور کوئی شے نہیں۔ تو عذاب و سوال کا وجود کیسے ہو گا؟

بعد ازاں بے کیف و بے کینہ بچوں
ظاہر آید یک حقیقت از دروں

اس کے بعد ایک ہی لامحدود کیفیتِ نوری۔ بے مثال۔ بے تشبیہ۔ خالص ذاتِ الٰہی کی آتی ہے۔ جس کی نہ کوئی کیفیت بیان میں آ سکتی ہے۔ نہ کوئی نشان۔ نہ کوئی حد ہوتی ہے۔

اندر آں از حکمت صُنعِ جلال
میشود با ذاتِ حق عین الوصال

اِس نورِ حق میں پہنچ کر سالک کی معرفت وعرفان وجذب وفنا تکمیل پذیر ہوجاتی ہے۔ اور اُسے عین الیقین۔ حق الیقین اور عین الحق حاصل ہوجاتا ہے یہی حق الیقین عین الوصال ہے۔ کہ سالک اپنے معبود کے وجود میں گم ہو کر فنا فی اللہ کا مقام حاصل کرلیتا ہے۔ جس سے اُس کے مقصود اور نصب العین کی تکمیل ہوجاتی ہے۔

آنکہ نجوئی گفت پیغمبر بحشر
ہم ازاں نجوئی ست اینجا یک اثر

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس نجوئی (سرگوشی) کا حشر میں ذکر فرمایا ہے۔ سالک کو اپنی زندگی میں اُسی مقام پر قبل از موت حاصل ہوتی ہے۔

بعد ازاں آں مسئلۂ وَاحدُ الوجود[2]
حل شود از فضلِ حق گردد شہود

اِس کے بعد وحدۃ الوجود کا مسئلہ حل ہوجاتا ہے۔ جب سالک کو وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ وَفِي أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ[1] کے ذریعہ اپنی اور مخلوق کی تخلیق اور خالقِ کائنات کا عینی مشاہدہ ہوجاتا ہے کہ کائناتِ خلقت کس طرح اُس خالقِ کُل کی حُرمت سے نمودار ہوئی۔ تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ تمام کائنات ایک نورِ ابتدائی سے علّت ومعلول کی صورت میں منازل

---

[1] پارہ ۲۶، سورہ ۵۱، آیت ۲۰

[2] وحدۃ الوجود کی شرح کے لیئے دیکھئے مضمون "نور العرفان" صفحہ ۶۶



درمنازل وجود میں آئی اور مخلوق (غیر اللہ) کی صورت میں ظہور پذیر ہوئی۔ مگر حقیقتاً وہ نورِ ابتدائی اُس ذاتِ لامحدود کے نور کا ایک جزو ہے۔ اِس لیئے وہ ذاتِ حق ہی ہے جس کے نور سے ہر شئے مخلوق ہے۔ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۗ سُبْحَانَهُ ۖ بَل لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ۔ اور کہتے ہیں وہ لوگ کہ اللہ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ وہ پاک ہے جننے سے لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ بلکہ یہ سب کیفیتیں بغیر جننے کے پیدا ہوئیں۔ ہاں! جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُسی (کے نور) سے ہے۔ اور اُسی میں صراطِ مستقیم ہے۔ وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ اور آپ البتہ لاتے ہیں لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف (صراطِ مستقیم کیا ہے؟) اللہ کا راستہ (اللہ کا راستہ کیا ہے؟) وُہی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ یہ سب اُسی کے نور سے بنا ہے۔ خبردار ہوجاؤ سب کام اللہ کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ (پارہ ۲۵، سورہ شوریٰ، آیت ۵۳)

آں خلاف از قلم کس کہ شد پدید
ظاہر گردد کل حقیقت چوں بدید

اِس وقت میری تحریر میں جو اسرار پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ یہ تمام حقیقی سالک پر زیرِ مُرشد وہ خود بخود عیاں ہوجائیں گے۔

جملہ تاویلات، علامت بے وصول
چوں رسد با اصل شد عینُ الوصول

یہ تمام تاویلات اور علامتیں۔ بغیر فنا و مشاہدہ، بے نتیجہ ہیں۔ جب انسان اصل سے واصل ہُوا۔ تو پھر عینی کیفیت قبول کرنے میں کونسی شے مانع ہے۔!

چوں اصل نہ دید تاویلات شُد
چوں بہ اصل آید یقینِ عین شُد

جب تک انسان شعوری و قلبی مشاہدہ اِن کیفیات و منازل کا نہ کرے۔ اس کے لیئے یہ واقعات محض ایک قصّہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ کیفیتیں مُبالغہ تصوّر کی جائیں گی۔ لیکن جب ایک ولی اکمل کی راہنمائی میں انسان حقیقت کی طرف یقین کے ساتھ رجوع کرے۔ تو یقینی طور پر اُس کے عینُ الیقین میں آجائیں گی۔

## فَنَا فِی اللّٰہ

---

دو طریقہ داں فَنَا فِی اللّٰہ را
بشنو تفصیل ہر یکے را ماجرا

اب فنا فی اللہ کی کیفیت بیان کی جاتی ہے۔ کہ فنا فی اللہ دو طرح سے ہے۔ اور دونوں کی کیفیت تفصیل کے ساتھ بیان کی جاتی ہے۔

اوّل ہمہ اُوست نزدِ صُوفیِ
از برائے حل شُدن مسئلۂ فنا

فنا کی اوّل کیفیت طریق ہمہ اُوست سے ہے۔ صُوفیا کے نزدیک مسئلۂ فنا، اسی طریق سے ثابت ہے۔



دوئم ہمہ در اوست از اصلِ فقر
اندر اِصطلاحِ صُوفیا کلمہ مُقرّ

دوسرا طریق ہمہ دَر اُوست کا ہے۔ جو کہ اُصل فقر ہے۔

معنی ہمہ اُوست ایں کہ کُل جہاں
عدم ہست ہر جا وجُود اُوعیاں

ہمہ اُوست کے معنی یہ ہیں کہ تمام جہان عدم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی ظاہراً جو وجُود غیر اللہ نظر آتا ہے۔ دَر اصل یہ تمام وجُود بھی اُسی ذات کے وُجُود میں شُمار ہے۔

یعنی ہر ذرّہ و ہر چیز ہر اشیاء
گشتہ فانی در وجُود اللہ بقا
پس نظر آید بہ ہر جا جلوہ اُو
اندر ہر اجزائے عالم حسنِ اُو

پس ہر جگہ ہر شے میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اور اِس عالم کی ہر چیز میں اُسی کا نُور مُشاہدہ میں آتا ہے۔ لیکن ہمہ اُوست کے اِس تصوّر و فکر میں ذاتِ الٰہی کی اُصل کو ملحُوظ رکھنا ضروری ہے اور پھر کائناتِ عالم کی اِبتدائی تخلیق میں اِس کی تخلیقی ترکیب کا اندازہ کرنا بھی ضروری ہے۔ کہ جب ہمہ اُوست کے تصوّر میں یہ کہا جائے۔ کہ ہر جگہ، ہر شے میں اُسی کا جلوہ نظر آتا ہے کوئی شے حقیقتاً غیر اللہ نہیں بلکہ وہ خود ہے۔! ایسی حالت میں مخلوق اللہ سے تعبیر نہیں دی جائے گی۔ اِس لیئے ضروری ہے کہ اوّل جس ذات کو بحث میں لایا جائے۔ اگر مُشاہدہ نہیں

تو پھر بھی اُس کی اصل کو ضرور اُس کی اَحدیّت اور لامحدُودیّت کے ساتھ بحث
میں لایا جائے۔ اِس لیے ہمہ اُوست کے تصوُّر کی اِبتداء اَزل سے اور احد و
لامحدُود حیثیت سے کی جائے۔ تو یہ طریق بُنیادی ہوگا۔ جس سے ظاہر ہوگا کہ جب
وہ ذات خود موجود تھی تو اُس وقت وہ ہمہ اُوست تھی اور جب مخلوق پیدا
ہوئی تو اُس کی ابتداء اور اُس کا وجود کہاں سے اور کس طرح ظاہر ہُوا؟ اِس لیئے
ضروری ہے۔ کہ ذاتِ باری تعالیٰ کے اَزل نُور سے تصوُّر و فکر کی اِبتداء کی جائے۔

هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ وہی ذات ہے جس کا وجود اوّل و اَزل
سے مُستقل تھا اور وہ اللہ تھا کہ اُس کی نہ ابتداء ہے۔ نہ اِنتہا۔ اُس کی ابتدا و انتہا
کا کوئی متعین تصوُّر انسانی ذہن میں قائم نہیں ہوسکتا۔ اِس لیئے اُس کی ابتدا و انتہا
حیران کُن ہے۔ اُس کی حیران کُن حیرت میں ڈالنے والی ہستی۔ کہ وہ کب سے تھا اور
کب تک رہے گا؟ اوّل و آخر کے تعیّن سے بھی پاک ہے۔ مگر جب ہم مخلوق کا تصوُّر
کرتے ہیں۔ تو ہمارے ذہن میں یہ کیفیت آتی ہے کہ وہ مخلوق سے اوّل بھی اَحَدٌ
تھا اور مخلوقِ فانی کے بعد بھی اَحَدٌ ہی رہے گا۔ تو اُس کی احدیّت میں نہ اوّل میں فرق
تھا۔ نہ درمیانی دَور (مخلوق) میں فرق ہے۔ لہٰذا اس کی آخر بھی بلا تعیّن اَحَدٌ ہی
رہے گی۔ تو ہمارے ذہن میں اُس کی اَحدیّت کا یہ تصوّر ہوگا کہ اَحَدٌ ہونے کی
حیثیت میں اَزلی اَبدی لامحدُود ہے۔ اور اُس کی ذات میں کسی مخلوق ہونے سے
فرق پیدا نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا کسی غیر اللہ مخلوق کے ظہُور کے لیئے سوائے ذاتِ الٰہی
کے کوئی تخلیقی مواد باہر سے نہیں پایا جاسکتا۔ اور جب کہ اُس کی ذات سے کوئی مقام
خالی نہیں تو کسی غیر اللہ مخلوق کے ظہُور کے لیئے کوئی مقام ایسا نہیں پایا جاسکتا۔



جہاں وہ ذات نہ ہو اور مخلُوق ماسویٰ ذات کے لیئے خالی مقام مُیسّر ہو۔ اب اگر ایک
غیر اللہ مخلُوق کے لیئے نہ کوئی ذریعہ اور مواد ہی فراہم ہوسکتا ہے اور نہ کوئی مقام ہی
اُس کے قرار کیلئے میسّر ہے۔ تو مخلوق کا وجُود کہاں اور کیسے ظہور میں آیا۔؟ سو اِس کا
ذریعہ سوائے اِس کے اور کچھ نہیں کہ ذاتِ الٰہی سے ہی مخلُوق کا وُجود لیا جائے اور
اِس کا وجُود جب ذاتِ الٰہی سے ہی لیا گیا۔ تو اِس وجُود کے لیئے اب کسی خاص مقام
کی ضرورت بھی باقی نہیں رہتی۔ جہاں اِس کے لیئے کوئی عَلیٰحدہ مقام مُتعیّن کیا جائے۔

یہ بات ضرور ہے کہ اللہ کی ذات اَحد و لامحدُود ہے۔ ایک طرف اُس کی تخلیق
بھی لامحدُود ہو۔ اور دُوسری طرف بِاعتبارِ ذات نہ فانی ہو۔ نہ محدُود۔ لیکن۔ یہ
بات ظاہر ہے۔ کہ خود اللہ کی ذات اَحد ہے۔ اور مخلُوق محدُود و فانی ہے اور غیر اللہ۔
جب اللہ کی ذات سے ماسِویٰ کسی غیر اللہ مخلوق کا وجود پایا گیا تو اللہ کی احدیّت میں
فرق ہوگا۔ اِس لیئے فکر اِس حال میں کرنا ہے۔ کہ اللہ کی ذات کی احدیّت قائم و
باقی رہے۔ اور مخلُوقِ فانی کا وجُود بھی غیر اللہ میں شمار ہو۔ سو اِس کی صُورت یہ ہے
اُس نے اپنے ہی نورِ احد سے ایک مخلوق پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اِس کے لیئے
اللہ تعالےٰ نے اپنے نُور سے ایک جُز کو مخلوق کے لیئے بنایا۔ گویا اُس کی تخلیق کے
ارادے میں پہلے مخلُوق کا ظہُور نہیں۔ بلکہ اپنے نُور سے ایک نُوری جُز کو مخلوق کرنا ہے
تاکہ مخلُوق کا وجُود بھی قائم رہے۔ اور اُس کی احدیّت بھی قائم رہے۔ سو اِس جُز
کی حیثیت نُورِ باری تعالےٰ میں ایک مرکز یا نقطہ کی سی ہے۔ کہ نقطہ بھی اُسی کا نُور
اور خود اَحَدٌ بیروں سے لامحدُود۔ یا جُز تخلیقی اِعتبار سے غیر اللہ مگر وجُودی اِعتبار
سے نورِ الٰہی۔! یہ نُور مخلوق بھی ہے غیر اللہ بھی ہے کہ محدود ہے اور فانی بھی ہے۔ کہ

اللہ تعالیٰ پھر اس کی مخلوقیت اور جزوی ہستی مٹا کر ذات میں یک جز کرے۔ اِس طرح نہ اُس کی اَحدیت میں فرق ہوگا۔ اور ھُوَ الْاَوَّلُ بھی ہوگا۔ ھُوَ الْاٰخِرُ بھی ہوگا۔ یعنی پہلا وجود ذاتِ باری وجودِ اَحَدؔ ہے۔ اور آخر یعنی دُوسرا بھی وہ خود ہی ہے۔ مگر دُوسرے میں فرق مخلوق کا ہے۔ لہٰذا نہ اُس کی اَحدیت میں فرق ہوا نہ اُس کی لامحدُودیت میں فرق آیا۔ اور مخلوق کا وجود بھی ظاہر ہوگیا۔ اب جو مخلوق اللہ کے ارادہ ازل میں ہے۔ وہ اُسی نورِ ازلی و ابتدائی سے مخلوق۔ غیر اللہ اور فانی بنے گی۔ مگر مقامِ اوّل پر نورِ ابتدائی نورِ الٰہی کی جز سے ہے۔ اِس لیئے ہر وجود میں بنیادی وجود نورِ الٰہی ہی ثابت ہے۔ اِسی طرح جب ہر مخلوق۔ مخلوقِ اوّل سے بنی تو اُس کے لیئے غیر اللہ ـ محدود۔ اور فانی ہونا لازم ہے۔

یہی طریق ہمہ اُوست کا ہے۔ کہ

پس نظر آید بہ ہر جا جلوہ اُو
اندر ہر اجزائے عالم حُسنِ اُو

کہ مخلوق اپنی جزوی ہستی میں اگرچہ غیر اللہ ہے لیکن اِس کا بنیادی وجود ذاتِ الٰہی کا نور ہے۔ اب اندازہ کرنا ہے کہ مخلوق کی فنا کیسے ہوتی ہے۔؟ سو اِس کی فنا سے مُراد یہ ہے۔ کہ مخلوق کی بقا کو قائم کرنا۔ گویا فنا کی اَصل۔ اور اُس کا نتیجہ بقا سے ہی ہے۔ بقا سے مراد اپنی اصل کی طرف لوٹنا۔ جیسے مخلوق کا وجُود۔ خالق سے ظاہر ہُوا۔ اب پھر اُسے محو کرنا۔ تو یہ محویت اِسی صورت میں ہوسکتی ہے۔ کہ مخلوق کو اصل کی طرف لوٹا کر اَصل میں یکجان یا یک جز کرنا۔ یا مخلوق کو اِس حالت میں تصور میں لانا۔ کہ اِس کی مخلوق ہستی مٹا کر اِس کی اصل پر نظر ڈالنا۔



ذاتِ الٰہی خود بقا ہے۔ اور مخلوق طالبِ فنا۔ سو مخلوق کی تخلیق اِس اَمر کی شاہد ہے۔ کہ اِسے فنا کی صورت میں پیدا کیا جائے تاکہ پھر بقا کی طرف لایا جائے پس مخلوق و خالق کی کیفیت میں ایک اِرادہ اور منصوبہ قائم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ کے اِرادہ میں ہے۔ کہ وہ مخلوق پیدا کرے۔ جس کے لیئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے قبل اِرادہ کیا۔ کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ یہی تصور اِرادہ اَزلی میں وجہِ تخلیقِ کائنات ہے۔ کہ اِسی کیفیت سے فنا و بقا کی تکمیل کی جائے گی۔ سو اِسی اِرادہ کو پُورا کرنے کے لیئے اللہ تعالےٰ نے اپنے نُور سے ایک نورِ ابتدائی کی تخلیق کی۔ اور اِسی نُور سے مَنازِل دَرمنازل مَراحِل دَرمَراحِل کیفیاتِ نوری۔ مرکز در مرکز پیدا کیں۔ یہاں تک کہ عرش نمودار ہُوا۔ کرسی نمودار ہُوئی۔ اور کرسی سے سات آسمانوں کا وجود ہُوا۔ ہر مقام طبق۔ عن طبق بنے۔ اِسی طرح عرش۔ کرسی۔ آسمان طبق عن طبق وجُود میں آئے۔ اور آخری مُقام آسمانِ اوّل کا ہُوا۔ اِسی آسمان میں۔ بے شمار سُورج چاند۔ ستارے بنے اور زمین بھی اِسی آسمان کی جز ایک سیّارے کی حیثیت سے مرکز میں بنی۔ چُنانچہ قرآن اِس تخلیق کی نشاندہی کرتا ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ یہ آسمان اور زمین ملے ہُوئے تھے۔ پس ہم نے اِنہیں جُدا جدا کر دیا۔ اور زمین کیفیت نوری ہیئت میں سے ناری ہیئت میں آگئی۔ اور اِس ناری ہیئت میں ہم نے پانی سے آثارِ حیات (یعنی ہیئتِ جسمانی) پیدا کئے۔ یہ مخلوق کی آخری ترکیب ہے۔ جس میں اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کا ارادہ پُورا کرنا ہے۔ سو اِس تمام مخلوق کی ترکیب میں۔

ہمہ اوست کا تصوّر صاف ظاہر ہے۔ کہ زمین سے لے کر نورِ ابتدائی تک فنا و بقا کے نظام میں جب ہر معلول کو اُس کی علت کی طرف لوٹایا جائے تو یہ فنا بسلسلہ وار ابتدائی مخلوق نورِ اوّل پر قرار پکڑے گی۔ اور پھر ہر کیفیتِ مخلوق اِسی مخلوق نور میں گم ہو جائے گی۔ اور یہ مخلوق نورِ اوّل اپنے منبعِ حقیقی میں گم ہو کر اپنی اصل بقا کو حاصل کرے گی۔ اِس لیے اِس تصوّر میں جب ہم ابتداء سے تصوّر کو شروع کریں تو ہمیں نورِ لا محدود کا وجود۔ نورِ اوّل میں محسوس ہوگا۔ اور جب ہم اِس کی فنا کا تصوّر کریں گے تو ہمیں اِس نور میں نورِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا۔ اور جب مخلوقی اعتبار سے مخلوق کا تصوّر کریں گے تو ہمیں ہر شے کی بُنیاد میں نورِ اوّل ہی مشاہدے میں آئے گا۔ اِس طرح ہمارے عرفان کی تکمیل ہوگی۔ کہ ہم ہر شے میں ایک ہی نورِ اوّل مخلوق کو پہچانیں گے۔ تو اُسے "مُحَمَّدْ" سے موسوم کیا جائے گا۔ یعنی پہچانا گیا۔ (ہر مخلوق میں) ہر مخلوق سے تصوّر کریں گے۔ اور جب مُحَمَّدْ (نورِ اوّل) کا عرفان کریں گے تو اُس میں ذاتِ الٰہی کا عرفان (پہچانا گیا) حاصل ہوگا۔ کیونکہ خالق نے مخلوق کی یہی ترکیب بنائی ہے۔

---

۱ یہ حقیقت ہے۔ کہ کائنات کی تخلیق اگر براہِ راست اللہ کے نور سے تصوّر کی جائے تو اصولِ فطرت کے تحت ہر شے اللہ کے تصوّر میں پہچانی جائے گی جس میں مخلوق کا تصوّر قائم نہ ہو سکے گا۔ لہٰذا اُصولِ تخلیق کے تحت جب تک ذاتِ الٰہی سے ایک مخلوق نور وجود نہ ہو مخلوق کا وجود۔ مخلوقی حیثیت میں قائم نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ قول ہے۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ مخلوق کی ہیئتِ مخلوق کے لیے۔ ایک نور۔ ذاتِ الٰہی سے۔ مخصوص کیا جائے۔ جس سے کل کائنات خلقت کا مخلوق وجود۔ تخلیق ہو۔ اور یہی نور ہر مخلوق وجود کا بُنیادی وجود ہو



اور اِس کے مشاہدہ و عرفان اور اصل کی یہی کیفیت ہے۔ کہ ہر شے میں ذاتِ الٰہی کا وجود ہی اصل وجود ہے۔ مگر تخلیقی اعتبار سے ہر شے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ ۔ نورِ محمدیؐ کی شکل میں بنا کر مخلوق ہیئت وجود میں لائی گئی۔ لہٰذا مخلوق کے لیے اگر ابتدا میں نورِ محمدیؐ نہ بنایا جاتا۔ تو مخلوق کا مخلوق ہیئت و حیثیت میں بننا ممکن نہ تھا۔

معنی ہمہ دروست اینکہ کل جہاں
عدم گشتہ در وجود اللہ نہاں
یعنی ایں ہمہ عالم شُد محواہ فنا
در وجودِ ذاتِ اُو دائم بقا

یعنی اِس کے مشاہدے میں تمام مخلوق اِس نور میں لوٹ کر ایک ہی کل اور بقا کی ہیئت میں محسوس ہوتی ہے۔ کیوں کہ ہر شے کا وجود۔ ہیئت۔ تشکیل سب اِسی کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔ جب کہ اِن کیفیتوں کے لیے کہیں اور سے کوئی مواد حاصل نہیں۔

---

حاشیہ گذشتہ سے پیوستہ:

تو ہر مخلوق وجود کی پہچان میں نورِ اوّل کے وجود کو پہچانا جائے گا۔ اِسی نور کی پہچان کو۔ "پہچانا گیا": "مُحَمَّدْ" سے تعبیر دیا گیا۔ اگر یہ نور مخلوق (افلاک) کے لیے ابتدا میں مخلوق نہ کیا جائے تو مخلوق کا مخلوق ہیئت میں، خلق ہونا ممکن نہیں۔

---

۲ اگر پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ اوّل کو مخلوق حیثیت میں نہ بنایا جاتا تو کائنات کا مخلوق حیثیت میں تخلیق ہونا ممکن نہ تھا۔

اوّل آخر ظاہر باطن اُوست داں
غیر اللہ با بقاءُ اُو عدم داں

نصِ قرآن ہے۔ بکھلی دلیل کے ساتھ کہ وہ اوّل احد تھا۔ آخر بھی احد ہے۔ ظاہر میں جو کچھ ہے۔ احد ہے۔ باطن میں جو کچھ ہے احد ہے۔ کیونکہ احد سے مراد جس کے مقابل کسی کیفیت کا وُجود پایا نہیں جا سکتا۔ اِس لیئے غیر اللہ کو لبقاء کی حالت میں عدم قرار دیا جاتا ہے۔

پس بفہم آید کہ ہمہ دُر وست ایں
چوں بفضلِ اللہ رسید حق الیقیں

پس آخر میں یہی کیفیت سمجھ میں آتی ہے۔ کہ اگر حق کو دیکھا جائے۔ تو ہمہ اُوست ہمہ دَر اُوست کی ترکیب میں حق الیقین کے ساتھ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ ایسی کیفیت کو عقل بھی تسلیم کرنے پر آمادہ ہے۔ اِس لیئے ہمہ اُوست اور ہمہ دَر اُوست کی ترکیب کو عقلی طور پر ایک تمثیلی خاکہ میں ظاہر کیا جاتا ہے جس میں منازلِ فقر کی منازل کو از اوّل تا آخر ہمہ اُوست و ہمہ در اُوست کی ترکیب میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو لف (خاکہ) صفحہ نمبر ۱۰۱ پر

دَر نتیجہ ہر دُو معنے یک شُدند
گرچہ از اَلفاظ ظاہر دُو بودند

نتیجہ میں (منازلِ فقر کا ماحصل) ہمہ اُوست۔ ہمہ دَر اُوست ایک ہی کیفیت۔ طریقِ عرفان و بقائے الٰہی ہے۔ صرف اَلفاظ میں دُو کیفیتیں (دُو تصوُرات) محسوس ہوتی ہیں۔

اوّل یہ کہ حصُولِ مقصُود میں۔ عرفان کے لیئے۔ ایمان بالغیب کے ساتھ اللہ



کا وجُود تسلیم کرنا۔ یہ توحید ہے۔ کہ وہ اَحد ہے۔ لاشریک ہے۔ اُس کے سوا کوئی غیر کیفیت موُجود و باقی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ مخلوق کسی غیر سے نہیں۔ بلکہ اُسی کے نور سے احسنِ تقویم کے ساتھ مخلوق ہوئی۔ یہ ہمہ اُوست ہے۔

دوسرا تصور۔ اِس کی تحقیق و تلاش اور حصُولِ قرب کی جو راہ ہے۔ وہ ——— وَفِی الْاَرْضِ آیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ ——— اور زمین کی پیدائش میں اللہ کی خالقیت کے آثار نمایاں ہیں۔ اور تمہارے مرکّبِ جسمانی میں بھی بے شمار نشاناتِ خالقیت ہیں۔ تم اِن پر ایک معبُود کو پہچاننے کے لیئے فکر کرو۔

فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ ۰ پس پھرو زمین پر اور تحقیق و تجسّس کرو۔ آیاتِ سمٰوٰت والارض میں کہ اللہ نے اِس مخلوق کی اِبتداء کس طرح کی ہے تو تمہیں اِس زمین کی اشیاء اور اپنے مرکّبِ انسانی میں اِس کا پتہ مل جائے گا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ عقل سے تحقیق کرو۔ یہاں تک کہ تمہاری تحقیق آسمانوں تک پہنچے۔ تو آسمانوں کی تخلیق پر بھی فکر کرو۔ تم میں عقل سے ماسویٰ۔ قلب۔ شعُور (ذہن) اور رُوحِ رحمانی موجود ہیں۔ یہ تمہیں مخلوق کی ابتداء کا علم حاصل کرنے میں مجھ تک پہنچا ئیں گی۔ کہ ایک خالق نے کس طرح مخلوق کو پیدا کیا۔ اور تم اپنے نفس سے (صرف ایمان بالغیب کے ساتھ کہ اللہ ہے۔!) تحقیق شروع کرو تو تمہیں میرے تمام اَسرار سے یا مُشاہدہ آگاہی حاصل ہوگی۔ یہی کیفیت "عرفان" سے تعبیر ہوگی۔ یہی طریقِ تجسّس اور مُشاہدۂ ہمہ اُوست۔ ہمہ دَر اُوست سے تعبیر ہے کہ سالک اپنی اِبتداء میں اپنے نفس سے فکر کی ابتداء کرتا

ہے۔ اور رُوحانی طور۔ عالَمِ ناسُوت۔ عالَمِ مَلکُوت۔ عالَمِ جبرُوت۔ عالَمِ لاہُوت میں منازِلِ فقر کو طے کرتا ہے۔ اور بالآخر وہ آخر مقام اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کی حقیقت کو بیرون پاتا ہے۔ ہر کیفیت اَندرُون ذاتِ باری جس طریق سے بنائی گئی ہے اُسے ہمہ دَر اُوست سے تعبیر دیا جاتا ہے جو کہ ہمہ اُوست ہے۔

---

# فَنَاءِ نفسی

## چیست معنیٰ فَنَاء نزدِ وَلی
## محُوشُدن صِفتِ اُو جلی خفی

صاحبِ علم وعرفان وَلی کے نزدیک فنا کی کیفیت و ترکیب کیا ہے؟

یعنی مِٹ جانا جسمانی روحانی صِفتِ انسانی کا۔

یعنی ہمہ اَوصاف کہ دَارَد بشر
محُوشدہ۔ ظاہر آید چُوں حشر

یعنی اِنسان جو کہ بُشری خاصیت رکھتا ہے۔ اپنی اِن صِفاتِ بُشری کو مٹا کر اِس طرح ہو جائے کہ اِس میں مخلوق آثار باقی نہ رہیں۔

کردہ ہمہ اَوصافِ بُشری رَا فنا
اَز اَوصافِ ذاتِ حق با حق پَناہ

یعنی کہ اپنی بُشری خاصیت کو اِس قدر تحلیل و مُزکّی کرے۔ کہ اُس بُشری جسم کی ہر کیفیت لطیف ہو کر یکسر رُوح ہو جائے۔ اور یہی کیفیت لطیف ہو کر ذاتِ الٰہی میں جذب ہو جائے۔ لیکن یہ مقام بہت اعلےٰ و اَرفع ہے۔ اِس مقام پر



بشر نہیں پہنچ سکتا۔ یہ مقام سوائے حضور مُحمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی۔ کسی اِنسان کو حاصِل نہیں کہ آپ کے مقام کی تائید اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝ پھر یہ بشر یہ نبی۔ یہ رسول اپنی جسمانی ہیئتِ نورانی کے ساتھ مجھ میں فنا ہو گیا۔ ایسی کیفیت "محوشدن صفتِ اُو جلی خفی" کی ہے کہ رُوح اور جسم دونوں نُور ہو کر ذاتِ الٰہی میں سما کر اپنی مخلوق ہیئت عدم کر ڈالیں۔ (ﷺ پارہ ۲۷،۰۰، سورہ نجم، آیت ۸-۹)

البتہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جسم اور ایک رُوح عطا کی ہے انسان اگر جسم کی فنا حاصل نہیں کر سکتا۔ تو بھی اُسے رُوح کے ذریعہ فنا حاصل کرنی ہے۔ اور یہ رُوحِ رحمانی اِسی فنا کو پانے کے لیے اِنسان کو عطا کی گئی ہے۔ یہ رُوح وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ یعنی اللہ کے نُور سے ہے۔ اِس لیے اِس نُور کو اِس کے منبعِ حقیقی تک پہنچانا۔ فنا کہلاتا ہے۔ سو انسان جب صراطِ اللہ کی منزلوں میں رَاہ رَوی کرتا ہے۔ تو اُس کی رُوح ہر منزل و مقام سے گزرتی ہے۔ یہاں تک کہ ذاتِ الٰہی کے نُور کے قریب ہو کر یہی رُوح ) ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی کا مقام حاصل کرتی ہے۔ یہی کیفیت فناءِ نفسی سے تعبیر ہے۔

جاننا چاہیئے۔ کہ فنا کا تعلق مخلوق سے ہوتا ہے۔ فنا سے مُراد ایک ہیئت سے اِنتقال کر کے دُوسری ہیئت میں تبدیل ہو کر پہلی ہیئت گم کر دینا ہے۔ جیسے انسان اپنی ایک جسمانی ہیئت پاتا ہے۔ زمین میں دفن ہو کر اُس کی خاصیتیں اجزائے زمین میں جذب ہو کر وُہی ہیئت پاتی ہیں۔ جن میں یہ جذب ہو جاتی ہیں۔ آخر انسان محو ہو کر اپنی ہیئتِ جسمانی کھو بیٹھتا ہے۔ مگر چونکہ اَجزائے زمینی باقی رہتے ہیں۔

اِس لیئے اِنہیں اجزا میں اُس کا وجُود بھی باقی رہتا ہے۔ یہاں انسان کا نام اور جسم مِٹ جاتا ہے۔ لیکن اجزائے زمینی میں اِنتقال کے بعد اُس کا وجُود بھی باقی رہتا ہے۔ یہی کیفیت ہر وجُود میں پائی جاتی ہے۔ کہ جب تک اِس میں مخلُوق اور معلُول کیفیت پائی جائے۔ وہ ایک وقت کسی دُوسری ہیئت میں انتقال کرنے پر فِطری طور پر مجبُور ہے۔ اور ہر فانی کیفیت اپنے سے قوی کیفیت میں جو اُس کی ابتدائی عِلّت و سَبَب ہو۔ جذب و فنا حاصل کرتی ہے۔ چونکہ زمین ہر مخلوق سے قوی اور اُن کی عِلّت ہے۔ اس لیئے ہر جسم اِسی زمین میں جذب ہو کر اپنی ہیئت تبدیل کرتا ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ مخلوق میں ہر وجُود خود مُستقل ہیئت نہیں رکھتا۔ بلکہ اُس کا وجُود کسی عِلّت و سَبَب سے پیدا ہوتا ہے۔ بغیر اِس ترکیب کے کوئی شے خواہ وہ اِدراک میں آنے والی ہو۔ یا ماوراءِ اِدراک ہو۔ خواہ وہ جسمانی ہو یا رُوحانی ہر مخلُوق کی ایک عِلّت و سَبَب ضرور ہے۔ چنانچہ ہمہ اُوست اور ہمہ ذرا اُوست کے بیان میں اِس عِلّت و معلُول کی ترکیب واضح طور پر ظاہر کی گئی ہے کہ اللہ تعالےٰ خود قَوِیٌّ عَظِیْمٌ ہے۔ اِس سے بڑھ کر کوئی کیفیت قوی نہیں۔ لہٰذا وُہ اپنی وُسعت کے اعتبار سے مُستقل ہے۔ اور ہر مخلوق اِسی عِلّت کی معلُول (بطریقِ ہمہ اُوست) ہے۔ یہاں تک کہ ارض اور اُس کی پیدائش آخری (انسان) بھی اِسی کی مخلوق و معلُول ہے۔ سو ہر مخلُوق کی فنا عِلّت و معلُول کی ترتیب کے ساتھ اُس کی عِلّتِ لامحدود میں ہوگی۔ جس کے لیئے ہر کیفیت کے ساتھ مَوت مقرر کی گئی ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ ہر جان دار نے مَوت کو پانا ہے۔ یہی موت ایک معلُول کی ہیئت تبدیل کر کے اِسے اِس کی عِلّت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اِسی اِنتقالِ ہیئت کی نسبت سے



مَوت کو فنا سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اور ہر مخلُوق فانی کہلاتی ہے۔ چُونکہ اِس فنا کا تعلق زیادہ تر انسان سے محسوس کیا جاتا ہے اِس لیئے اِنسانی فنا میں باقی مخلُوق کے مقابلہ میں ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انسان نے خلیفہ کی حیثیت سے اپنے ارادے کے ساتھ فنا حاصل کرنی ہے۔ اِس فنا کی کیفیت کیا ہے۔؟ وہ کیفیت اِنسان کی ذاتی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہے۔ سب سے اوّل وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط کہ انسان خلیفہ کی حیثیت سے پیدا ہوگا۔ اور خلیفہ کی صفت کیا ہے؟

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ جب کہا تمہارے رب نے ملائکہ سے کہ مَیں ایک بشر کی تخلیق کرنے والا ہوں تو اللہ تعالےٰ نے لیس دار گارے سے ایک انسان کو مکمل کرلیا۔ یہ انسان ہر مخلوقِ ارضی میں حیوان (حرکت والا) بنا۔ لیکن عام مخلوق میں اُسے اعلیٰ مقام دیا۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ۔ اُسے سنوارا۔ یعنی قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وہی جس نے تم کو بنایا۔ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ط اور بنائے تم میں کان اور آنکھیں اور دِل و دماغ۔ مگر بہت کم لوگ ہیں جو اِن اِنعاماتِ الٰہی کو صحیح طور پر استعمال کر کے شکرانِ نعمت کا مُظاہرہ کرتے ہیں۔! ویسے تو ہر حیوان میں بھی آنکھ، کان اور دل و دماغ ہے۔ لیکن آیت میں کان آنکھ اور دل و دماغ کا خصُوصی ذِکر اِس اَمر کی شہادت ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اِن قویٰ کو سوٹی کی صُورت میں بنایا۔ کہ انسان اِن سے فکر و سعی میں اپنا جسمانی رُوحانی عروج پا سکے۔ اِس سوٹی کے بعد انسان مکمل ہے۔

کہ وہ اپنی انسانی نشو و ارتقا میں اُونچا مقام حاصل کرے۔ لیکن اِس کیفیت سے خلیفہ کے وجود کی تکمیل نہیں۔ جب تک انسان اپنی نفخِ رُوح کو کام میں نہ لائے۔ تو رُوح کا کیا کام ہے ——؟

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰئِكَةِ ط

فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۝ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۝ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۝

اور نفخِ رُوح کے بعد ہم نے آدمؑ کو تمام اسماءِ ارض و سموات اور اسرارِ الٰہی سے آگاہ کیا۔ یہ اِس لیئے کہ میرے منصوبہ میں خلیفہ کی یہی تعریف تھی۔ جو ملائکہ کے علم میں نہ تھی۔ کہ خلیفہ سے مُراد ایک جسمانی اور رُوحانی مرکب جو اپنی تسبیح و حمد میں ملائکہ سے بالاتر ہوگا۔ اور اُسے ملائکہ سے بالاتر علم دیا جائے گا۔ اِس لیئے ملائکہ کے اعتراض میں خلیفہ کی دلیل پیش کرنے پر ہم نے ملائکہ و آدمؑ کا مقابلہ کرایا۔ اور ملائکہ سے کہا کہ تم نے کہا تھا۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ط اچھا بتاؤ تمہیں تمہارے اعمال کے نتیجہ میں کیا حاصل ہے؟۔ اِس لیئے مجھے اپنے اسماء و احوال ہی کی خبر دو۔ کہ ملکوتُ السّمٰوٰت میں کیا کیا اسرار پائے جاتے ہیں؟۔ مگر ملائکہ نے اِس علم میں عجز پیش کیا کہ ہم نہیں جانتے۔ سو اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کی صفت کا اظہار خلیفہ سے کرایا۔ کہ اے آدمؑ تم تو خاکی ہو۔ اور زمین میں



رہتے ہو۔ تم ملائکہ کے احوال۔ ملائکہ کو بتا دو۔ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ جب آدمؑ نے ملائکہ کو اُن کے اسماء، احوال بتا دیئے۔ تو ملائکہ نے اُسے اپنے سے برتر تسلیم کیا۔ فَسَجَدَ الْمَلٰئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ۔ پس تمام ملائکہ نے آدمؑ کے علم و عمل کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔

یہ قوتِ علم و عمل آدمؑ (انسان) کو رُوح سے ملی۔ کہ رُوح کا کام عرفان و مشاہدہ الٰہی ہے۔ رُوح۔ رُوحی (اللہ کی رُوح) ہے۔ اِس لیئے اِس عرفان و مشاہدہ میں رُوح نے قرب و فنائے الٰہی حاصل کرنا ہے۔ یہی رُوحانی قرب، خدا رسی سے تعبیر ہے۔ کہ سالک اِس مقام میں اپنی رُوحِ رحمانی کو ذاتِ الٰہی میں فنا کر کے اپنی رُوحانی حیثیت کو گم کر دیتا ہے۔ اِسی رُوحانی فنا سے انسان کے کردار کی بحیثیت خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جس کے لیئے ہر انسان بشر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اِسے سوٹی کی خصوصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور نفخِ رُوح سے اپنی خلافت کی تکمیل اپنی موت سے پیشتر کرتا ہے۔ تاکہ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا۔ جو کچھ تم اپنی زندگی میں۔ شریعت کی تابعداری میں مراتب حاصل کرو۔ اور زائد عبادت سے مشاہدہ اور اعلٰے مراتبِ عرفان حاصل کرو۔ تمہاری جسمانی موت کے بعد یہی کچھ تمہیں حاصل ہوگا۔ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ۔ اِس کا دار و مدار تمہارے عمل پر ہے۔ آسان طریق پر عمل کرو تو جنت کے حقدار ہو گے۔ یہ بھی معرفتِ الٰہی کا پہلا زینہ ہے۔ اور اِس سے زیادہ محنت تزکیہ۔ مجاہدہ۔ فاقہ۔ رات کا جاگنا۔ کرو تو انتہائی مراتبِ عرفان پاؤ گے۔ اور جس نے اِن مراتب کے ساتھ مشاہدہ حاصل کیا اور

اپنے پائے ہوئے مراتب کا مشاہدہ بھی حاصل کیا۔ تو گویا اُس نے زندگی میں ہی حشر کو پا لیا۔ وہ اپنے مراتب پر علیٰ حالہٖ قائم رہے گا۔ ہاں۔ مقصود تو عرفان و معرفت کا پانا ہے۔ جب انسان پا گیا تو اُس کے لیئے زندگی اور حشر مساوی ہے۔ زندگی میں بھی وہی مقام اور حشر میں بھی وہی مقام۔ پھر وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ؕ اللہ کسی سے ناانصافی نہیں کرتا۔ کہ انسان اپنی محنت سے زندگی میں ہی اپنا انتہائی مقام پالے۔ تو میں اُسے اس مقام کی راحت و عیش سے کسی طرح نیچے نہیں لاؤں گا۔

اس لیئے ہر انسان پر فرض ہے۔ کہ وہ اپنے مقصود میں معرفتِ الٰہی کو اپنا نصب العین قرار دے۔ اور شریعت کی تابعداری کرے۔ اور تزکیہ مجاہدہ محنت و ریاضت سے کام لے کر اُونچا مقام و مرتبہ پالے۔ اور اگر کوئی چاہے کہ مجھے انتہائی مراتب و عرفانِ الٰہی حاصل ہو تو اُس کے لیئے ایک پیرِ اکمل کی راہنمائی ضروری ہے۔ تاکہ طالب پیرِ اکمل کے علم و عمل اور روحانی مشاہدات کی راہنمائی میں پیرِ اکمل کے ہاتھ پر بیعت ہو کر اس صراطِ مستقیم پر چل کر معرفتِ الٰہی حاصل کرے۔

(وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى)

---



تفصیل خاکہ تمثیلی

# ہمہ اُوست وہمہ دَرُوست

خاکہ ۱؎ خاکہ تمثیلی منازلِ فقر کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ہر دائرہ ایک منزل ظاہر کرتا ہے۔ ۱؎ دائرہ ہ یہ آسمانِ اوّل کا دائرہ ہے۔ آسمانِ اوّل میں نقطے اور چھوٹے گول دائرے۔ تمام سورج۔ چاند۔ سیارے واقع ہیں۔ آسمانِ اوّل ان سیاروں سے بھرا ہُوا ہے۔ اور زمین آسمانِ اوّل کے مرکز[1] میں ہے۔ اِس طرح آسمانِ اوّل نے ہر جہت (دائیں بائیں۔ اُوپر نیچے) سے اِن تمام سیاروں کا احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح مرکز کی حیثیت سے آسمانِ اوّل نے ہر جہت (طرف) سے زمین کو اپنے پیٹ میں سمایا ہے جس طرح انار کے دانوں پر چھلکا احاطہ کیئے ہے دائرہ ۲؎ آسمانِ دوم ہے اِس نے آسمانِ اوّل پر اسی طرح احاطہ کیا ہے جس طرح انڈے کی زردی پر سفیدی اور سفیدی پر چھلکا محیط ہے۔ دائرہ ۳؎ آسمانِ سوم ہے۔ جو آسمانِ دوم پر محیط ہے۔ دائرہ ۴؎ آسمانِ چہارم ہے۔ جو آسمانِ سوم پر محیط ہے۔ دائرہ ۵؎ آسمانِ پنجم کا ہے۔ جو آسمانِ چہارم پر محیط ہے۔ دائرہ ۶؎ آسمانِ ششم کا ہے۔ جو آسمانِ پنجم پر محیط ہے۔ دائرہ ۷؎ آسمانِ ہفتم کا ہے۔ اِس آسمان نے چھ آسمانوں پر احاطہ کیا ہے۔ یہ سات آسمان طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ایک دوسرے پر ہر جہت سے لحاظ کیئے ہوئے ہیں۔ سات آسمانوں کے اُوپر کرسی کا دائرہ ہے۔ جس نے سات آسمانوں کو اپنے پیٹ میں سمایا ہُوا ہے جس کا اشارہ قرآن سے ظاہر ہے۔ وَسِعَ[2]

---

[1] مرکز میں ایک نقطہ رکھا گیا ہے۔ اس نقطے کے گرد دو دائرے کرۂ آبی اور کرۂ ہوائی ظاہر کیئے گئے ہیں۔

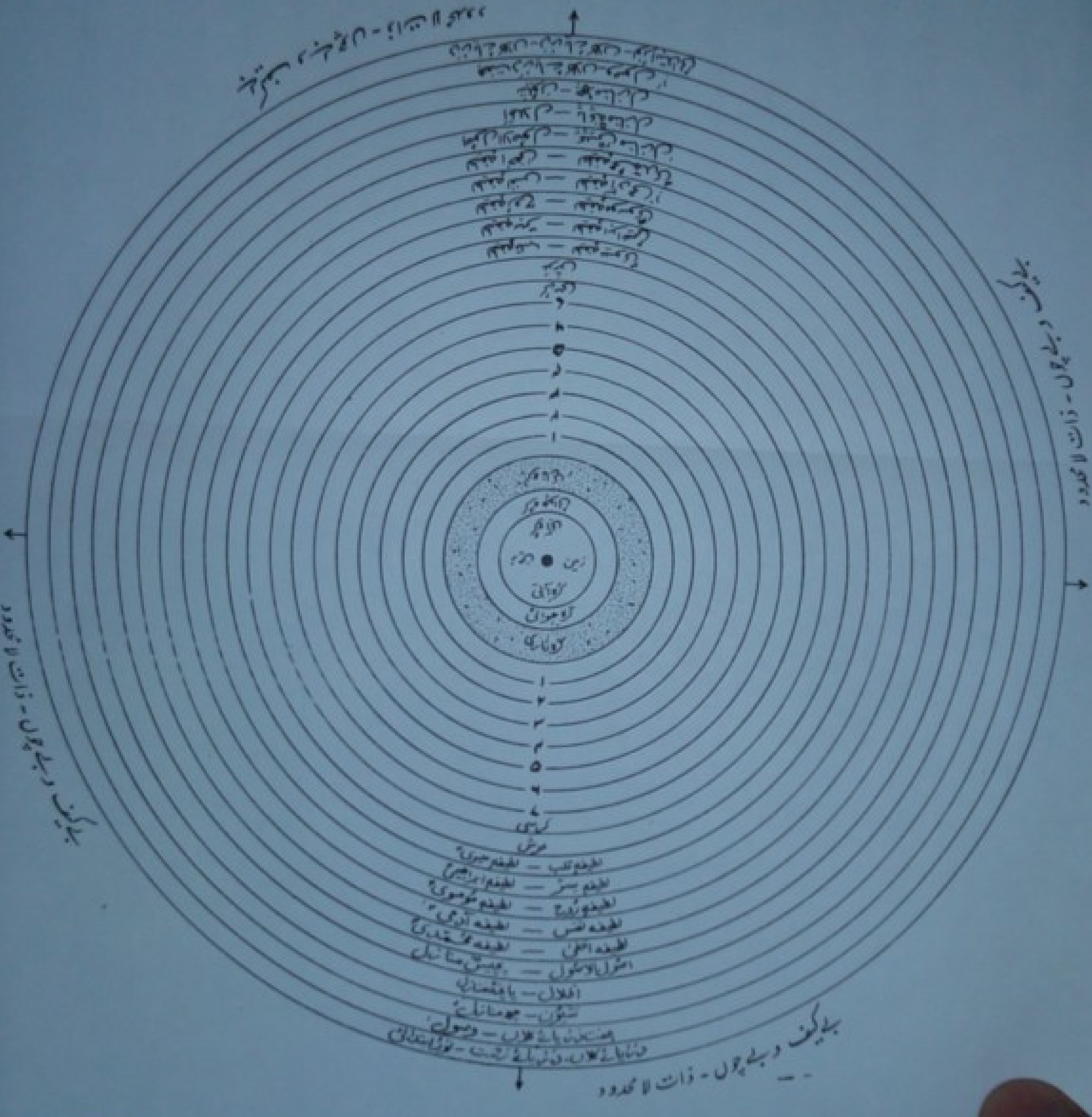
[2] اس کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے احاطہ میں لیا ہُوا ہے۔

کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ کُرسی کے بعد عَرش کا دائرہ ہے۔ اِس نے کُرسی پر اِحاطہ کیا ہے۔ عَرش کے بعد ایک نُوری مَقام ہے جو عَرش کو ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہے اِسے **لطیفۂ قَلب** کہتے ہیں۔ اِس نُور کا رنگ سَبز ہے۔ لطیفۂ قلب کے نُوری مقام کے اُوپر ایک اور نُوری مقام ہے جسے **لطیفۂ سِرّ** کہتے ہیں۔ اِس نُور کا رنگ سَفید ہے۔ لطیفۂ سِرّ کے نُوری مقام کے اُوپر ایک اور نُوری مقام ہے جسے لطیفۂ رُوح سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اِس کا رنگ سُرخ نیلگوں ہے۔ یعنی سُرخ نیلگوں رنگ کا نُور۔ **لطیفۂ رُوح** کے اُوپر ایک نُوری مقام آتا ہے۔ اِسے لطیفۂ نفس سے تعبیر دیا گیا ہے۔ اِس نُور کا رنگ زُرد سنہری ہے۔ **لطیفۂ نفس** کے اُوپر ایک سیاہ نُوری مقام ہے۔ یہ نُور انتہائی تاباں نُور ہے۔ اِس نُور کی سیاہی تمام اَنوار کی اِنتہائی قوّت کی دلیل ہے۔ اِس سیاہ رنگ کے باقی رنگ جزو کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یعنی اصل نُور کی اِنتہائی تابانی (روشنی) سیاہ رنگ کی ہوتی ہے باقی سُرخ نیلگوں۔ سبز۔ زرد سنہری اور سفید رنگ اِس رنگ کی کمتر درجہ کی حرارت اور روشنی ہوتی ہے۔ اسے لطیفۂ اَخفیٰ یا لطیفۂ مُحمّدی سے تعبیر دیا گیا ہے۔ اِن اَنوار کے اوپر ایک منزل ہے جس میں پچیس قسم کے مراحل اور مختلف اَنوار و مقامات پائے جاتے ہیں۔ یہ مقام تمام مقامات پر ہر جہت سے اِحاطہ کئے ہوئے ہے اسے اصل الاصول کہتے ہیں۔ اِن انوار سے آگے پانچ اور منزلیں ہیں جنہیں **اَظلال** سے تعبیر دیا گیا ہے۔ یہ منازل بھی پہلی منزلوں پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہیں۔ ان پانچ منزلوں سے آگے چھ منزلیں پائی جاتی ہیں۔ انہیں شیُوُن کہا جاتا ہے۔ اِس کے بعد ایک نُوری مقام آتا ہے یہاں پر سالک اَنوار کو دریا کی ہیئتوں میں محسوس کرتا ہے یہ دریا

# تفصیل خاکہ تمثیلی

گزشتہ "منازلِ فقر" کے بیان میں ایک طالب کو سیر الی اللہ میں، زمین سے لے کر آسمان - اور آسمان سے لے کر بالاتر مقاماتِ نوری، تا نورِ اول (نورِ ابتدائی) اور نورِ ذاتِ الٰہی تک، جو کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں - ان آثار کی تفصیل "منازلِ فقر" کی صورت میں پیش کی گئی۔

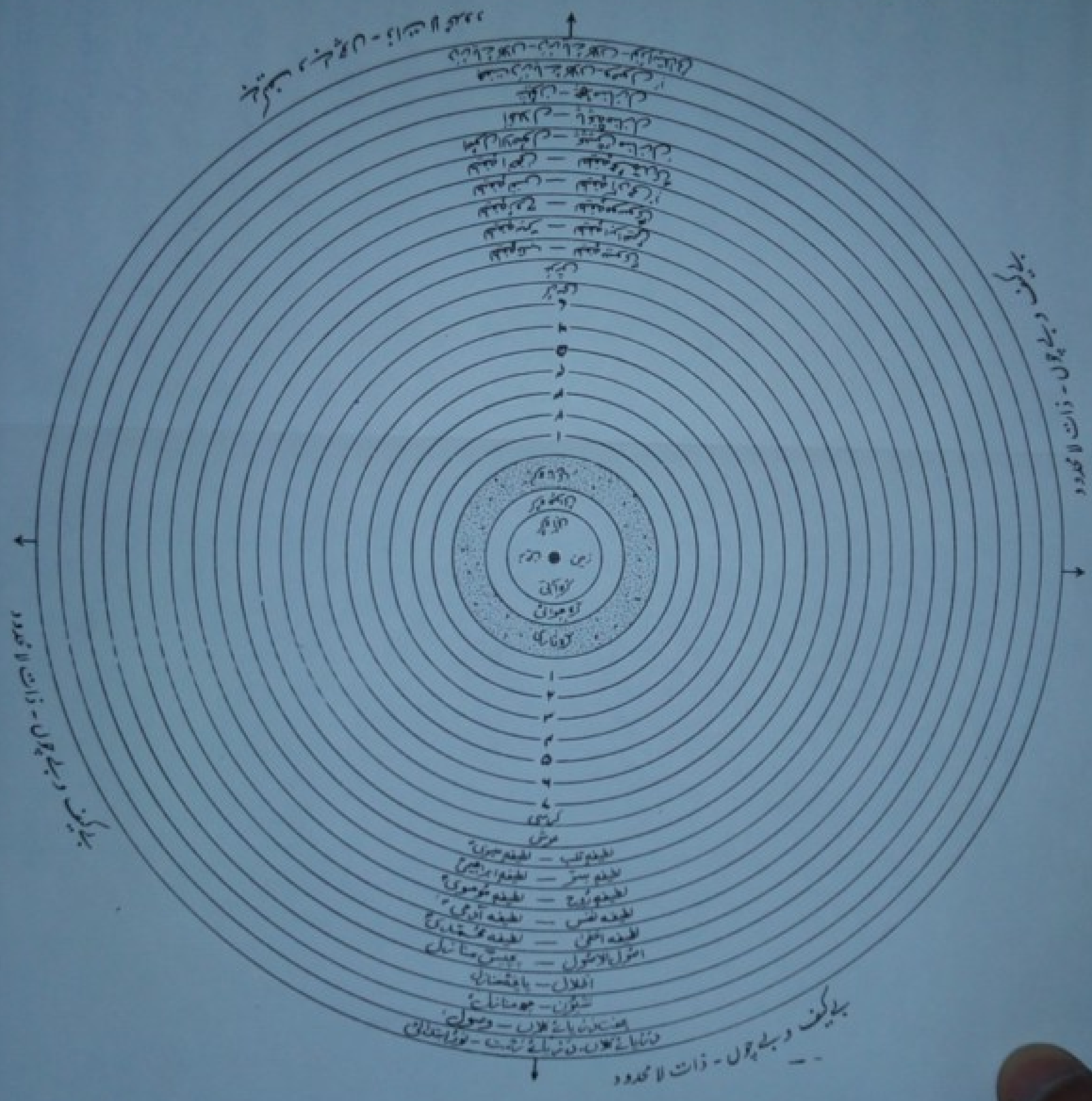
اب ان منازلِ فقر کی منازل (کیفیاتِ نوری) کو "براہِ راست" بہ درستی کی ترتیب کے ساتھ خاکوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔



# تفصیل خاکہ تمثیلی

گزشتہ ، منازلِ فقر کے بیان میں ایک طالب کو سیر الی اللہ میں، زمین سے لے کر آسمان - اور آسمان سے لے کر بالاتر مقاماتِ نوری، تا نورِ اوّل (نورِ ابتدائی) اور نورِ ذاتِ الٰہی تک ، جو کیفیات مشاہدہ میں آتی ہیں - ان آثار کی تفصیل "منازلِ فقر" کی صورت میں پیش کی گئی۔

اب ان منازلِ فقر کی منازل (کیفیاتِ نوری) کو براہِ راست ہر دو رُخ کی ترتیب کے ساتھ خاکوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے۔



نوری ہیں۔ پہلے ایک دریا عبور کرتا ہے۔ اس کے عجائبات و اَسرار دیکھتا ہے۔ پھر دوسرا پھر تیسرا۔ اِسی طرح سات دریا عبور کرتا ہے۔ اِس کے بعد ایک وسیع نُور ہے جس کی وُسعت بے اندازہ ہے۔ اِس نُور کی رنگت کا اندازہ اُلفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نُور تمام اِبتدائی منازل پر ہر جہت سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اِسے دریائے رُحمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہی نُور تمام منازل و اُنوار کا آخری نُور ہے۔ اِس کے بعد ذاتِ باری تعالٰی کا نُور ہر کیفیت و منزل پر بیروں ہر جہت سے احاطہ کئے ہے۔ اِسی کیفیتِ اِحاطہ کو قرآن نے اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ پھر اِس کی کسی جہت سے اِنتہا نہیں پائی جا سکتی۔ آخری دریائے رحمت اِس نُور کا مرکز ہے۔ گویا تمام کائناتِ خلقت ذاتِ باری کے نُور میں مرکز کی حیثیت سے پائی جاتی ہے۔ اِس لئے اس مخلوق کے پیدا ہونے سے ذاتِ باری کی کوئی حد پیدا نہیں ہوتی۔ اور اس کی لامحدُودیت علیٰ حالہٖ باقی رہتی ہے۔ چونکہ وہ لامحدُود ہے۔ اگر اُس کی ذات سے مخلوق بنتی تو پھر مخلوق لامحدود ہوتی۔ لیکن مخلوق محدُود ہے اور فانی ہے۔ اِس لئے اللہ تعالٰے نے ارادۂ اَزل میں اپنے نُور سے اپنے مرکز میں دریائے رحمت کو کُن سے بنایا۔ یہ نُور اُس کی صفت میں شمار ہے۔ اِسی نُور سے ہر مخلوق کی تخلیق اِسی طرح طبقٌ عن طبق (جس طرح دائروں کی صورت ہے) پیدا ہوئی اور آخر آسمانِ اوّل کے مرکز میں تمام سیارے اور مرکز میں زمین بنی۔ اِسی لئے اِس نُور کے اعتبار سے یہ نُور۔ نُورِ ابتدائی۔ یا نُورِ محمدؐی کہلاتا ہے۔ یہی نُور تمام عالم کی علت ہے۔ اس لئے انہیں ؎

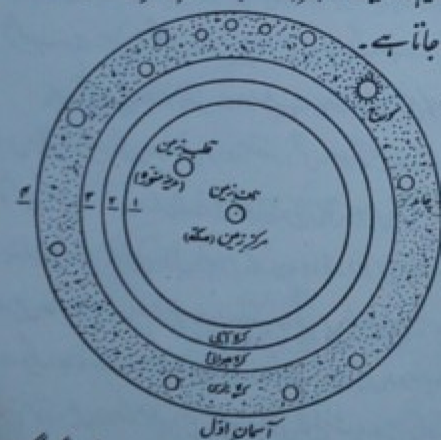
علتِ ایجادِ عالم ہم بقا  منبعِ انوارِ عالم ہم صفا

کہا گیا ہے۔ اب اِس خاکے ہمہ اُوست اور ہمہ دراُوست کی ترکیب ظاہر ہوتی ہے۔ کہ جب ہم زمین سے لے کر آخری مقام دریائے رحمت کو ذاتِ باری کے نُور میں سمایا ہُوا پاتے ہیں تو ہم اُسے اِسی نورِ ابتدائی کی مسئول مخلوق دیکھ کر کہتے ہیں کہ اللہ خود اُوپر نہیں الگ نہیں کہ اُس سے علیحدہ مخلوق کا مقام ہو۔ بلکہ اُس کی ذاتِ احد سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ اِس لیے مخلوق اُس کے نُور سے، اُسی کے بطن میں پیدا کی گئی ہے۔ یہی کیفیت ہمہ دراُوست ہے اور جب ہر کیفیتِ مخلوق کو فانی اور غیراللہ محسوس کرتے ہیں تو اس صورت میں جب کہ وہ خودُ احد ہے اِلٰہ ہے۔ اُس کی ذات کے مقابل کوئی مخلوق یا غیراللہ وجود نہیں پا سکتا تو ہم اِس ہمہ دراُوست کے نتیجہ میں جب مخلوق اور خالق پر فکر کرتے ہیں۔ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کی ابتداء اور اس کا وُجودی مرکب نُورِ باری تعالیٰ سے ہی ہے۔ اور اِس کی مخلوق ہیئت نورِ ابتدائی۔ نورِ محمدیؐ۔ سے ہے۔ اِس لیے مخلوق اعتبار سے ہر کیفیت ایک ہیئت میں محسوس کی جانے والی غیراللہ محسوس ہوتی ہے۔ ورنہ اِن تمام کیفیتوں کا وجود ایک ہی نُور سے ہے اور سالک جب عالمِ باطن میں اِن کی اَزلی تخلیق کا مُشاہدہ کرتا ہے۔ تو اُسے ہر مخلوق میں نورِ محمدیؐ نظر آتا ہے۔ کہ مخلوق کی عِلّت یہی ہے اور جب نورِ ابتدائی تک پہنچ کر نورِ ابتدائی کی بُنیاد میں ذاتِ الٰہی کا نُور پاتا ہے۔ تو یہاں وہ ذاتِ لامحدود کو ہی اصل سمجھنے لگتا ہے۔ تو دیکھتا ہے۔ کہ ہر وجودِ مخلوق ہیئت میں محسوس ہے۔ لیکن اِس میں بُنیادی نورِ ذاتِ الٰہی کا ہے۔ اِس لیے اِس تخلیقی اعتبار سے وہ اِس مقامِ فنا میں ہر شے کو "ہمہ اُوست" سے تعبیر دیتا ہے۔ اِسی طریق سے جب اِس کی ذاتِ باری تعالیٰ پر نظر پڑتی ہے تو مخلوق کی پیدائش کی اِبتدا یہاں سے



شروع کرتا ہے۔ تو اُسے ہر کیفیت اُسی سے پیدا ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ہر شے کی فنا کی اِنتہا ذاتِ الٰہی منبعِ حقیقی نظر آتی ہے۔ کیونکہ فنا سے مُراد ہی یہی ہے کہ ہر مخلوق کی ذاتی ہیئتِ معلول مِٹ کر اپنی اصل کی طرف لَوٹ آئے۔ اِسی طرح ہر مخلوق کی فناء ذاتِ باری تعالےٰ پر ختم ہو جاتی ہے۔ اِس لئے یہ کیفیتِ فنا "ہمہ اُوست" سے تعبیر کی جاتی ہے۔ کہ خود ذاتِ باری تعالےٰ علےٰ حالہٖ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ هُوَ الْاَوَّلُ۔ هُوَ الْاٰخِرُ۔ هُوَ الظَّاهِرُ۔ هُوَ الْبَاطِنُ، ہمیشہ قائم ہے۔ اور مخلوق بھی علےٰ حالہٖ مخلوق۔ غیراللہ۔ فانی ہے۔ جس سے اللہ کی ذاتِ اَحد میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ یعنی اللہ بھی ہے مخلوق بھی ہے۔ پھر بھی ذاتِ باری تعالیٰ کی واحدیت میں فرق نہیں۔ کیونکہ یہ تمام کیفیت غیراللہ، مخلوق ہمہ اُوست ہے۔ چنانچہ منازلِ فقر میں خاکہ تمثیل سے یہی کیفیت ظاہر ہے۔ اب منازلِ فقر کی ابتدائی منازل کا خاکہ تمثیل بھی پیش کیا جاتا ہے۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۲




تمثیلی خاکہ نمبر ۲ میں دائرہ عدد (۱) کرۂ زمین سے تشبیہ ہے جو ایک گول گیند

کی مانند فضا میں معلّق ہے۔ اِس پر دائرہ نمبر(۲) کرۂ آبی احاطہ کئے ہے۔ جس میں زمین سے قریب آبی ذرات پائے جاتے ہیں۔ جس کی زمینی مخلوق کو زندگی کے دوام میں ضرورت رہتی ہے ــــــ اِس کرۂ آبی کے اُوپر ایک کرۂ ہوائی (دائرہ ۳) احاطہ کئے ہے۔

یہ ہَوا کا ایک سمندر ہے جس میں زمین ایک گیند کی مانند تیر رہی ہے۔ اِس کرۂ ہوائی میں زمین محوِ گردش ہے۔ اِس کرۂ ہوائی نمبر(۳) اور آسمانِ اوّل دائرہ نمبر(۴) کے درمیان کا حصّہ تمام کا تمام ناری فضا کا ہے۔ اِسی ناری فضا میں ناری مخلوق یعنی سُورج، چاند اور ستارے پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ تمثیلی خاکہ نمبر(۲) میں سُورج چاند وغیرہ کی چھوٹے چھوٹے گول دائروں کی شکل میں نشاندہی کی گئی ہے۔ دائرہ نمبر(۴) آسمانِ اوّل کا ہے۔ اِس کے بعد دوسرے تیسرے وغیرہ آسمانوں کی ترکیب ہے۔ جیسا کہ تمثیلی خاکہ نمبر(۱) میں دکھایا گیا ہے۔

یہی زمین ہے جو اَلْاَرض سے موسوم ہے یہ مقام ارادۂ ازل کا ابتدائی تصوّر ہے اور اِس ارض پر خلیفہ کی پیدائش واحد مقصود تھی۔ سو اگر خلیفہ بنانے کا مقصود نہ ہوتا تو کسی کیفیتِ مخلوق کے بنانے کی ضرورت نہ رہتی۔ اِسی مقام سے منازلِ فقر کی ابتدا ہوتی ہے۔ منزلِ اوّل اجلاسِ محمدیؐ۔ دائرہ (۴) میں آسمانِ اوّل کی اندرون حد میں عالمِ ناس (عالمِ ناسُوت) ہے یہ عالم اِس جہان کا باطن ہے جو ذہنی مشاہدہ سے دیکھا جاتا ہے۔ عالمِ ناسُوت کے بعد قلبِ زمین میں روضۂ مدینہ منوّرہ ہے۔ مدینہ منوّرہ میں روضۂ مطہرہ میں ایک باطنی عالمِ مشاہدہ میں آتا ہے۔ اسے اوّل اجلاسِ محمدیؐ کہا جاتا ہے۔ چونکہ روضۂ مدینہ منوّرہ زمین کا دِل ہے۔ اور زمین کائنات

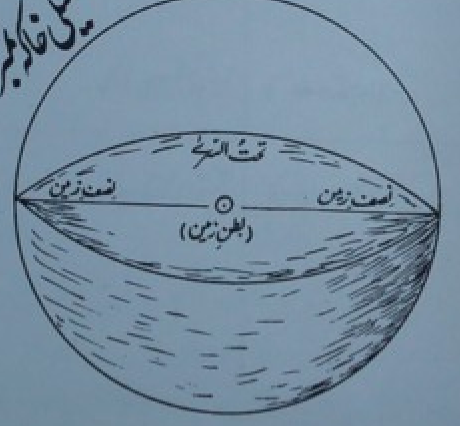


کا مرکز اور کائنات ذاتِ باری کا مرکز۔ اِس طرح روضۂ مدینہ منوّرہ میں اوّل اجلاس محمدیؐ ذاتِ الٰہی کے قلب سے تشبیہ ہے۔

دوئم وسطِ زمین۔ یعنی مرکزِ زمین میں "مکّہ" ہے۔ یہاں پر دُعائے ابراہیمیؑ کی اجابت کا مقام ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ یہاں انبیا بنی اسرائیل کا تصوّر دُعا میں نہیں صرف مکّہ میں ایک رسُول کی پیدائش کا تصوّر ہے۔ جو یہ تصوّر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش میں درجۂ قبولیت پاتا ہے۔ یہ مقام بھی مرکز ہے یہاں اِس رسُول کے لئے حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ ہی اللہ کا گھر بنایا گیا۔ گویا یہ منصوبہ ازل تھا۔ اِس لئے اِس بیتُ اللہ کے باطن میں دریائے توحید اجلاسِ دوئم ہے۔

خاکہ تمثیلی نمبر ۳ = یہ نصفِ زمین۔ بطنِ زمین۔ تحتُ الثّریٰ ہے یعنی زمین کی سطح پر مخلوق ہے اور زمین کی شکل ایک سیب کی سی ہے اور سیب کا پیٹ اُس جگہ ہوتا

تمثیلی خاکہ نمبر ۳



ہے جہاں دانہ ہوتا ہے جس دانے سے سیب کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح تحت الثریٰ زمین کا بیج ہے۔ زمین کائنات کا مرکز ہے۔ اس لیے تحت الثریٰ کائنات کا بیج ہے۔ یہاں پر حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جلوہ گاہ ہے۔ یہ مقام چوتھی منزل کا ہے۔

تیسری منزل عرش ہے۔ تحت الثریٰ اور عرش کے درمیان آسمان و کرسی دوسری منزل دریائے توحید میں شامل ہے۔ اس کے بعد خاکہ تمثیلی نمبر ۱ میں دیئے گئے مقامات شروع ہوتے ہیں۔ جو ہمہ اُوست اور ہمہ دراُوست پر ختم ہوتے ہیں۔

—— تمت بالخیر ——



# تخلیقِ کائنات

گزشتہ شرح منازلِ فقر ہیں۔ کائنات اور اللہ کی ذات کی معرفت میں جو مقامات منازلِ فقر کی صورت میں مشاہدہ میں آتے ہیں۔ ان کی تفصیل بیان کی گئی۔ اب ان منازل کی تخلیقی ترکیب کو "تخلیقِ کائنات" کے تمثیلی خاکوں کی شکل میں پیش کیا جاتا ہے

خاکہ تمثیلی (۱-ا)

| | |
|---|---|
| ذاتِ "احد" کا | فرضی تشبیہی خاکہ |
| جو لامحدودیت کا | تصوّر رکھتا ہے۔ |

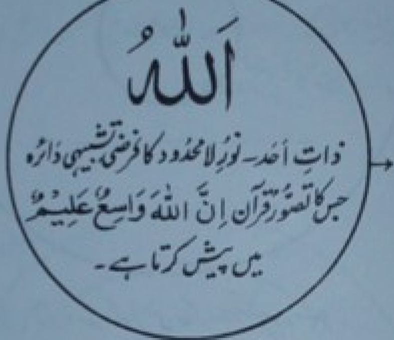
# تخلیقِ کائنات۔ تمثیلی خاکوں کی شکل میں دلائل

خاکہ (ا۔۱)۔ نورِ مستقل۔ نورِ لامحدود۔ وحدتِ کُل۔ "اَحَدْ" سے تشبیہہ ہے۔ اُس ذات کا تمثیلی نشان ممکن نہیں۔ بجائے اِس کے کہ ایک نورِ لامحدود ۔۔ لاانتہا۔ کا تصوّر قائم کیا جائے۔ کہ اِس نورؔ کے مقابلہ میں نہ تو کوئی دُوسرا وجود، موجود، ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی دُوسرے وجود کے لیے (اِس نورؔ سے ہوٹی) کوئی مقام خالی ہوسکتا ہے۔ اِس حیثیت میں یہ وجود۔ اَحَدْ ۔۔ کی صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ وجود اَزلی ۔۔ اور غیر فانی ۔۔ نورِ مستقل قرار دیا جاتا ہے۔

خاکہ (ا) نورِ مستقل۔ نورِ لامحدود، وحدتِ کل، احد سے تشبیہہ ہے۔ اُس ذات کا تمثیلی نشان ممکن نہیں سوائے اِس کے کہ ایک نورِ لامحدود۔ لاانتہا۔ کا تصوّر قائم کیا جائے۔ کہ اِس نور کے مقابلہ میں نہ تو کوئی دوسرا وجود، موجود ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے وجود کے لیئے (اِس نورؔ سے ہوٹی) کوئی مقام خالی ہو سکتا ہے۔ اِس حیثیت میں یہ وجود اَحَدْ کی صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ وجود



## خاکہ تمثیلی نمبر (ا)

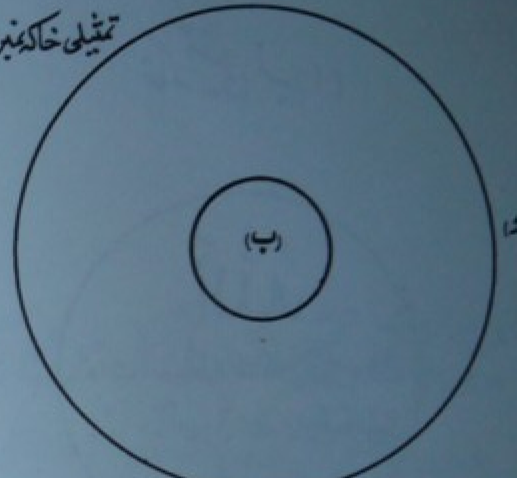



(ا)

انسانی ذہن مشاہدہ سے۔ ایک وسیع کائنات محسوس کرتا ہے۔ اِس کائنات کی تخلیق کیسے ہوئی؟ ۔۔ اِس کا مادہ (MATERIAL) کہاں سے آیا؟ ۔۔ اور نورِ اَحَد سے ماسوٰی وہ کونسا مقام ہے جہاں اِس کائنات کا قیام ہوا؟ ۔۔ اِس کائنات کی تخلیقی ترکیب کیا ہے؟ ۔۔ اِن حقائق اور دیگر ضمنی سوالات سے متعلق تفصیل۔ تمثیلی خاکوں کی صورت میں پیش کی جاتی ہے جس میں تخلیقِ کائنات کا حقیقی تصوّر پیش کیا جاتا ہے۔

خاکہ تمثیلی عدد (ا) نورِ اَحَدْ کا فرضی تشبیہی خاکہ۔ جو اَحَد ہونے کی صورت میں۔ ہر شئے مخلوق کی لَا (نفی) کا تصوّر دیتا ہے۔ جس میں کسی غیر وجود کا ہونا ممکن نہیں۔

تمثیلی خاکہ نمبر ۲




دائرہ (ا) نورِ احد کے فرضی خاکہ سے تشبیہ ہے۔

فطری اصول کے تحت، جب کہ نورِ احد کی وسعت کا تقاضا ہے۔ کہ کسی دوسرے وجود کے لئے نہ خارج سے مادہ میسّر آسکتا ہے اور نہ ہی کسی دوسرے وجود کے لئے کوئی مکان (خالی جگہ) میسّر ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود ما سوائے نورِ احد۔ ایک کائنات کا تصوّر موجود ہے تو اس وجود کا مادہ سوائے اس کے نہیں کہ یہ مادہ خود نورِ احد سے ہی میسّر آسکتا ہے اس کی مثال (ا) اور (ب) کے تمثیلی خاکوں سے ظاہر ہوتی ہے۔

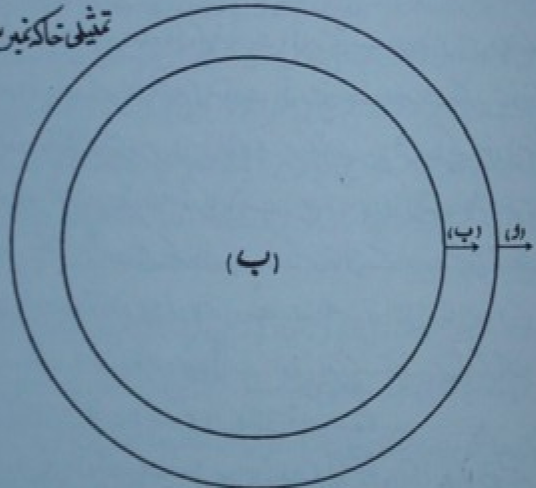
دائرہ (ا) نورِ احد سے تشبیہ ہے۔ کہ نورِ احد میں۔ اسی نور کی جزء سے دوسرے وجود کا ظہور ہوا۔ لہٰذا ایک مخلوق وجود کو۔ (خواہ وہ نورِ لامحدود میں کسی بھی مقام پر ظاہر ہو) خود بخود مرکز کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ گویا ایک مخلوق



وجود خود اس وجودِ لامحدود میں مرکز قائم کرتا ہے۔ سوائے اس کے کائنات مخلوق کے وجود کے لئے ظہور کی اور کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ تخلیق کے فطری اصول کے تابع مخلوق کے ظہور کی یہی ایک ترکیب و ترتیب ہونا حقیقی تصوّر ہے۔ (اور ایک دوسرے وجود کے موجود ہونے سے اللہ کی لامحدودیت میں کوئی "حد" نہیں پیدا ہوتی جس سے اللہ کی واحدیت میں نقص واقع ہو) اسی ترتیب پر نورِ احد کی واحدیت قائم رہتی ہے۔

---

تمثیلی خاکہ نمبر ۳




جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ کہ دائرہ (ا) "احد" سے تشبیہ ہے اور دائرہ (ب) نورِ احد کے مرکز میں پیدا ہونے والا وجود ہے ــ کہ نورِ احد میں اسی نور

کی جُز مرکز کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ وجود، نورِ اَحد ہی کی جُز ہے۔ اِس لیئے اِس وجود کا مرکب بھی نوری تصوّر کیا جاتا ہے۔ نورِ لا محدود کی وسعت سے نسبت کے اعتبار سے یہ وجودِ مخلوق بھی اپنے مقام میں لا محدود وسعت کا درجہ رکھتا ہے۔ لیکن مخلوق حیثیت سے اس وجود کی ایک حد ضرور ہے۔ گو ترتیب کے اعتبار سے یہ وجود بھی نورِ اَحد کا جُز ہے۔ لیکن مخلوق حیثیت میں یہ جز، کُل کا تصوّر نہیں رکھتی۔ لہٰذا مخلوق وجود (ب) نوری وجود ہونے کے باوجود، اللہ کی صفت سے متّصف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ نور محض جُز کی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا اِس تخلیقی ترتیب میں یہ مسئلہ طے ہو جاتا ہے۔ کہ نورِ اَحد سے سوا ایک وجود کے لیئے نہ خارج (باہر) سے مادہ کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ ہی اِس وجود کے لیئے ماسوا نورِ اَحد کسی خالی مقام کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ نیا وجود نورِ لا محدود و "اَحد" کے مقابلہ میں نہ اِس نور کا ہمسر ہو سکتا ہے۔ نہ شریک، بلکہ وجودی اعتبار سے یہ وجود، مخلوق اور غیر اللہ تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہی نور، "نورِ اوّل" سے موسوم ہوتا ہے۔ اور یہ مستقل الذّات نہیں بلکہ فانی ہے۔ اور کسی خالق کے امر سے تخلیق ہُوا جبکہ اس وجود کی علّت خود (وہی) نورِ لا محدود ہے۔ لہٰذا اِس نورِ اوّل کا خالق، اِس کی علّت۔ علّتِ لا محدود قرار دی جاتی ہے۔ اور یہ اَمر ایک قانون بن گیا۔ کہ آئندہ ہر وجود کی تخلیق میں "علّتِ لا محدود" ہی اِس کا خالق قرار پائے گا۔

یہاں قبل از وقت ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نورِ مستقل، نورِ ازلی کا وجود تسلیم کرنا کس دلیل کے تابع ہے؟۔ یعنی کہ کائنات کے وجود سے قبل ایک نورِ ازلی کا وجود تھا؟۔ اس کی دو نوعیتیں ہیں۔



اوّل یہ کہ خود کائنات کا وجود دلالت کرتا ہے۔ کہ اِس کارگاہِ حیات کی کوئی ابتدا ضرور ہے۔ جس میں زمان و مکان، اور کیف و ہیئتِ مادہ (MATERIAL) کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور کائنات کی تخلیقی ترتیب میں کسی شے کے عدم اور ظہور میں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ انسانی مشاہدہ میں آنے والی ہر شے خود مستقل وجود نہیں رکھتی بلکہ کسی ابتدائی علّت[1] سے اُس کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تصوّر یقینی ہے۔ کہ اِس کائنات کی کوئی بنیادی علّت ضرور ہے۔ جسے "خُدا" کے تصوّر میں لایا جاتا ہے۔

دوسرے، اِس زمین پر مدتوں سے انسانی پیدائش کا سلسلہ چلا آرہا ہے۔ اور ہر زمانہ میں، انسان میں، کائنات کی تحقیق کی تحریک پائی جاتی رہی ہے۔ کہ "کائنات کیا ہے؟" اِس کا بنانے والا کون ہے؟۔ اِس سوچ کے نتیجہ میں ہر انسان نے ایک خالق کا تصوّر پایا ــــ چنانچہ گزشتہ زمانوں میں، قدیم قوموں میں بھی ایک خالق کا تصوّر پایا جاتا رہا ہے۔ جسے ہر قوم نے اپنی زبان میں ایک "نام" دیا ــــ جسے "اَللہ" کے نام سے بھی پکارا گیا۔ مگر اِس فکر میں اِنسان کو اُس ذات کا نہ اِدراک حاصل تھا۔ اور نہ ہی اُس

---

[1] علّت یعنی بنیادی وجود: ہماری قریبی اشیاء خاکی ہیئت میں محسوس ہوتی ہیں۔ اِس کے ساتھ ہی ہمارے قریبی ستارے ناری ہیئت میں محسوس ہوتے ہیں اور یہ بھی واضح ہے کہ خاکی ہستیاں۔ ناری ہستیوں سے پیدا ہوئی ہیں۔ لہٰذا تخلیقی اصول کے تابع۔ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نار، خاک کی علّت ہے۔ ایسی صورت میں ناری ہیئت کے لیئے بھی ایک علّت کا ہونا لازمی ہے۔ وہی قوّت جو ناری ہستیوں کی علّت ہے۔ "نور" کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔

وجود کی دلیل میسر تھی۔ تاہم ہر انسان نے ایک "خالق" کے وجود کو بلا دلیل تسلیم کیا۔ اِس تسلیم کی اَساس، گزشتہ قوموں میں وقتاً فوقتاً مخصوص شخصیتوں کے ظہور پر بھی ہے۔ جنہیں "نبی" یا "رسول" کہا گیا۔ جنہوں نے ایک نورِ مستقل خالق کے وجود کا تصور دیا۔ اِسی طرح قرآن نے بھی تخلیقِ کائنات پر فکر کی ابتداء کا ایک خاص تصور دیا۔

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ (پارہ ۲۶ سورہ ۵۱ آیت ۲۰)

یعنی تخلیقِ کائنات کی فکر میں اِس کا بنیادی سبب کیا ہے۔؟ پہلی نوعیت یقین رکھنے والوں کے لیے ایک اندازِ فکر یہ ہے کہ اللہ کو رسول کی شخصیت پر بلا دلیل تسلیم کرکے اللہ کو ہی تخلیقِ کائنات کا بنیادی سبب و علت تصور کیا جائے۔ اور تحقیق کی ابتداء اِسی نور سے کی جائے۔ دوسری نوعیت وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ، عقلی دلائل کے ساتھ اپنے وجود کی علت اور تخلیقی ساخت کو پہچان کر منبعِ حقیقی (علتِ لامحدود) تک پہنچا جائے۔ اِس تصور پر نورِ ازلی، نورِ مستقل، نورِ احد، کو "علتِ لامحدود" قرار دے کر کائنات کی ابتدا اِسی نور سے ہونا تحقیق میں لایا گیا۔ اور نورِ احد ہونے کے اعتبار سے جبکہ خارج میں نہ مادہ میسر ہو سکتا ہے۔ نہ مقام میسر آ سکتا ہے۔ نورِ احد ہی کی ایک جز کو نورِ احد ہی کے وجود میں تخلیقِ کائنات کا بنیادی سبب (MATERIAL) تصور کیا گیا اور اب چونکہ تحقیق کا سلسلہ جاری ہو چکا تو فطری تخلیق کے تابع، اِسی تخلیقی عمل میں ایک نئے وجود کا ظہور ہونا ضروری ہوگا۔ اِس وجود کا ظہور کیسے ہوگا؟ کیا نورِ اول کے وجود سے علیحدہ براہِ راست نورِ احد ہی سے دوسرا وجود پیدا ہوگا۔؟ ایسا ہرگز نہیں کہ ایسا ہونا خلافِ فطرت (فطری قانون) تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اس صورت میں ایک سے زائد کائناتوں کا الگ الگ وجود قائم ہوگا۔ اور چونکہ نورِ احد



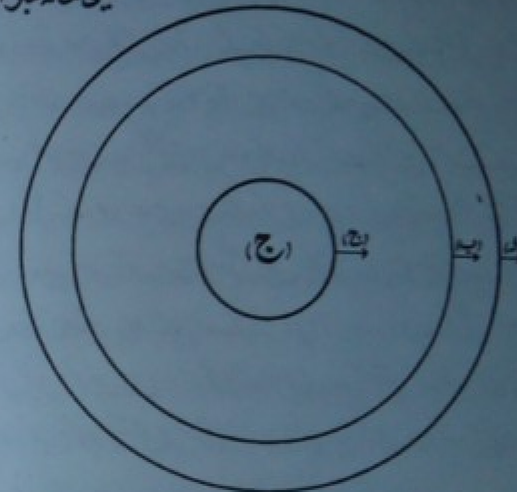
لامحدود وسعت رکھتا ہے۔ ایسے سلسلۂ تخلیق سے الگ الگ کائناتوں کے وجود بھی لامحدود و لاتعداد میں ظہور پذیر ہوں گے۔ جبکہ نظامِ کائنات میں ایک تسلسل، ایک تنظیم کا پایا جانا ضروری ہے۔ بے شمار کائناتوں میں مختلف نظام پیدا ہونے سے، فطری تنظیم کا قائم رہنا ممکن نہیں۔ لہٰذا تحقیق اِس امر کا تقاضا کرتی ہے۔ کہ تخلیقی ترکیب کے تابع نورِ اوّل[1] کے وجود سے ہی، اِس کے مرکز میں، اِسی نوری وجود سے مثلِ نورِ مستقل، ایک وجود پیدا ہو۔ جو "نورِ احد" کا معلول[2] نہیں۔ بلکہ "نورِ اول" کا معلول ہو۔ لہٰذا اِس ثانوی وجود کی علت، بجائے نورِ احد کے،۔ نورِ اول قرار دی جائے گی۔ اِس سے قبل تمثیلی خاکہ میں (ا) دائرہ کو علتِ لامحدود، نورِ مستقل سے تشبیہ دی گئی اور دائرہ (ب) کو نورِ مستقل کا معلول بحیثیتِ نوری، نورِ اول سے موسوم کیا گیا۔ اب آئندہ نورِ اول سے پیدا ہونے والے وجود کا تشبیہی خاکہ ملاحظہ ہو۔

---

[1] کائنات کی تخلیق پر اس کی ابتدائی تحقیق میں یہ فطری قانون ثابت ہے کہ اگر تخلیقِ کائنات کے منصوبہ میں مخلوق کیلئے ایک نورِ اول، ابتدائی نور مخصوص نہ کیا جائے تو نورِ احد (لامحدود) کے وجود سے براہِ راست تمام کائنات کا وجود مخلوقی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسلئے ضروری ہوا کہ ابتداءً تخلیقِ کائنات کے لیے ایک مخلوقی نور مخصوص ہو۔ اور یہ امر واقع ہے کہ اگر ابتداً ایک نورِ اول کو مخصوص انداز میں پیدا نہ کیا جاتا تو کائنات مخلوقی حیثیت میں قائم نہیں ہو سکتی۔ اِسی کیفیت کو لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ کے بیان میں ظاہر کیا گیا۔ کہ اگر نورِ اول کو مخلوق کے لیے اولاً نہ بنایا جاتا۔ تو کائنات کا مخلوقی حیثیت میں تخلیق ہونا ممکن نہ تھا۔

[2] معلول، ایک بنیادی وجود سے خارج (پیدا) ہونے والی جز۔

## تمثیلی خاکہ نمبر ۴




دائرہ (ا) تشبیہ ہے۔ نورِ مستقل احد، نورِ لامحدود سے، جو نورِ اوّل کی علت قرار دی جاتی ہے۔

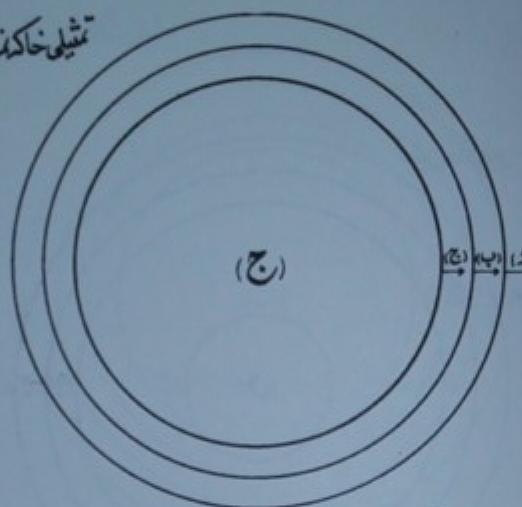
دائرہ (ب) تشبیہ ہے۔ نورِ اوّل مخلوق سے، جو نورِ احد سے معلول ہے۔ نورِ ابتدائی، نورِ احد کی معلول ہے۔ اور آئندہ تخلیقی عمل میں علت کی حیثیت اختیار کرتا ہے جس سے اس کے مرکز میں ایک اور وجود کا معلول ہونا فطری تخلیقی عمل کے تابع ہوگا۔

دائرہ (ج) تشبیہ ہے۔ نورِ دوم سے، جو نورِ اوّل سے معلول ہوا۔ یہ نورِ اوّل کی جزو ہے! وجودی اعتبار سے، مقام کے اعتبار سے یہ وجود بھی لامحدود وسعت کا حامل ہے۔ لیکن تخلیقی اعتبار سے جزو تصوّر کیا جاتا ہے۔

آیئے۔ اب اِن دائروں کو پھر سے بغور دیکھیں۔



## تمثیلی خاکہ نمبر ۵

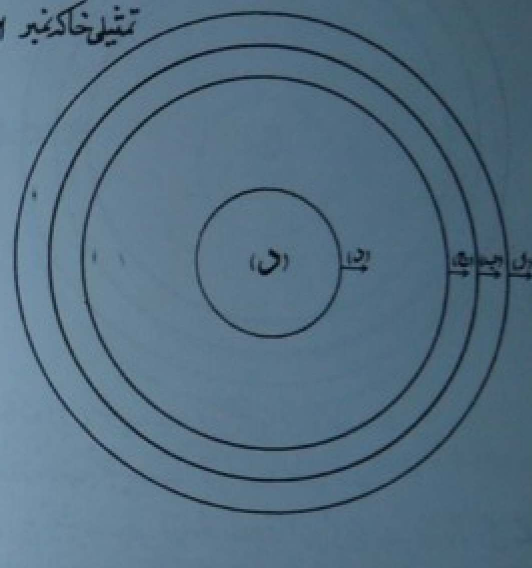



دائرہ (ا) تشبیہ ہے، نورِ مستقل، نورِ لامحدود سے

دائرہ (ب) تشبیہ ہے، نورِ اوّل، مخلوق سے

دائرہ (ج) تشبیہ ہے، نورِ دوم سے جو نورِ اوّل کی جزو ہے۔ اور نورِ اوّل کے مرکز میں مقام رکھتا ہے۔ مقام کے اعتبار سے لامحدود وسعت کا حامل ہے۔ اگرچہ اِن تمثیلی خاکوں کے تشبیہی دائروں کے درمیان فاصلہ قلیل دکھایا گیا ہے تاہم اِن دائروں کا درمیانی فاصلہ بھی لامحدود وسعت کا حامل ہے۔ ایک وجود سے دوسرے وجود تک لاانتہا وسعت رکھتا ہے۔ اور ہر نوری وجود، اپنی ہیئت میں لاانتہا درجہ کی جسامت (طول و عرض) کا حامل ہے۔ نورِ دوم نورِ اوّل کی معلول ہے۔ اِس مقام پر آئندہ پیدا ہونے والی ہر ہیئت میں، معلول خود علت کا مقام رکھ کر اپنے وجود سے ایک معلول پیدا کرتی ہے۔ جیسا کہ ذیل کے تشبیہی خاکے میں دکھایا گیا ہے۔

## تمثیلی خاکہ نمبر ۶



دائرہ (ا) تشبیہ ہے۔ نورِ مستقل، نورِ لامحدود، اَحد سے یعنی عِلّتِ لامحدود۔

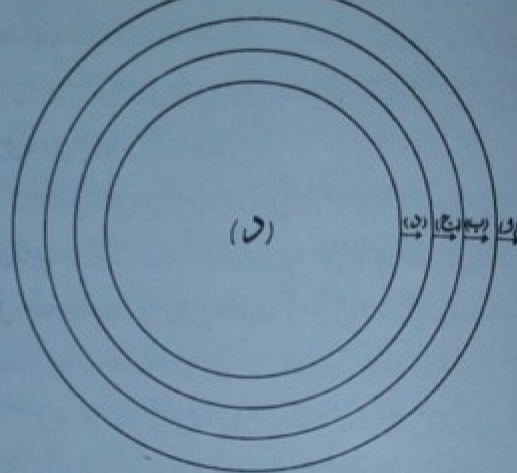
دائرہ (ب) تشبیہ ہے: نورِ اوّل، نورِ مخلوق سے جو نورِ مستقل کی معلول ہے۔

دائرہ (ج) تشبیہ ہے۔ نورِ دوئم، نورِ اوّل کی معلول جُز سے۔

دائرہ (د) تشبیہ ہے۔ نورِ سوئم، نورِ دوئم (ج) کی معلول جُز سے جو نورِ دوئم (ج) کے مرکز میں ظہور کرتا ہے۔ تخلیقی ترتیب میں، مقام کے اعتبار سے نورِ سوئم (د) بھی ہیئت میں لا انتہا وُسعت کا حامل ہے (ملاحظہ ہو تمثیلی خاکہ نمبر ۷)



## تمثیلی خاکہ نمبر ۷



دائرہ (ا) تشبیہ ہے۔ نورِ مستقل، نورِ لامحدود، اَحد سے یعنی عِلّتِ لامحدود۔

دائرہ (ب) تشبیہ ہے۔ نورِ اوّل سے، نورِ مخلوق سے جو عِلّتِ لامحدود کی معلول ہے۔

دائرہ (ج) تشبیہ ہے۔ نورِ دوئم سے جو نورِ اوّل کی معلول ہے۔

دائرہ (د) تشبیہ ہے۔ نورِ سوئم سے جو نورِ دوئم (ج) کی معلول ہے۔

تخلیقی اعتبار سے ہر وجود نوری حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن مقام کے اعتبار سے ہر معلول اپنی عِلّت کے مقابلہ میں کمتر نوری قوت و حیثیت رکھتا ہے۔ اِس تخلیقی ترکیب سے واضح ہے۔ کہ ہر نوری ہیئت اپنی جُز میں تقسیم ہوتی ہے۔ اِس صُورت میں کہ اِس سے ایک وجود خارج (ANALYSE) ہوتا ہے۔ لیکن ہر عِلّت کا اپنا وجود باقی رہتا ہے۔ اِس سلسلۂ تخلیق کا بلا تعینِ زمانہ، لاتعداد ہیئتوں میں جاری رہنا

ایک فطری عمل کے تابع لازمی ہے۔ جس کا کوئی انسانی ذہن تصوّر قائم نہیں کر سکتا۔ کہ ازل سے ابد تک کتنے نوری عالم پیدا (وجود) ہوئے۔ سوائے اس کے کہ قرآن سے ہمیں اس سلسلۂ تخلیق کی کڑی کی نشاندہی ہوتی ہے۔ (ان عالموں کی تفصیل منازلِ فکر کے تفصیلی خاکوں میں پیش کی گئی ہے۔)

گزشتہ تمثیلی خاکوں میں تشبیہی دائروں کی شکل میں، ابتدائی نوری وجودوں کی پیدائشی ترکیب و ترتیب سے کائناتِ نوری کی پیدائش کا ایک تصوّر پیش کیا گیا۔ کہ نورِ مستقل، علتِ لامحدود سے کس طرح کائنات کی تخلیق کی ابتدا ہوتی ہے۔ اور یہ سلسلہ ازل سے ابد کی طرف علت و معلول یعنی (SUBJECT & OBJECT) کی ترتیب کے ساتھ مسلسل جاری رہا۔ ان تمثیلی خاکوں میں چند ابتدائی نوری ہیئتوں کی ترتیبِ پیدائش کا نقشہ پیش کیا گیا۔ یہاں تک کہ نوری وجودوں کی پیدائش کا سلسلہ ایک غیر معیّن مدت تک لاتعداد نوری وجودوں کی شکل میں جاری رہا۔ ان وجودوں کی تفصیل صفحۂ قرطاس پر لانا ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ درمیانی پیدائش کا سلسلہ مختصر کر کے اس پیدائش کی ایک کڑی سے تخلیقی ترتیب کا خاکہ پیش کیا جائے۔ جو ایک مخصوص نام سے معروف ہے۔ اس نوری ہیئت کو کرسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

جہاں تک مادی محققین کا تعلق ہے۔ مادی تحقیق کی بنا پر وہ ان کیفیتوں کا نہ کوئی علم پا سکتے ہیں۔ نہ عقلی استدلال پیش کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی ان کیفیتوں کا کوئی تصوّر پیش کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کے لئے ان کیفیتوں کا یقین و تسلیم ممکن نہیں۔ اور یہ محققین اپنی عقلی علم وسعت کے باوصف ان کیفیتوں کے وجود سے رد و انکار میں بھی کوئی علم نہیں پیش کر سکتے۔ لہٰذا ان محققینِ مادہ کا ان کیفیتوں سے بلا دلیل انکار معقول



نہیں ہو سکتا۔ جبکہ انسانی مشاہدہ میں آنے والی کیفیتوں میں علت و معلول یعنی (SUBJECT & OBJECT) کا نظام واضح ہے۔ کہ ماضی میں یہ تخلیقی نظام اسی طرح غیر معیّن زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ کائنات کی ابتدا علتِ لامحدود، نورِ مستقل سے ہوئی ہے۔ اس علتِ لامحدود کو انسانی ذہنوں نے اللہ کے تصوّر میں قائم کیا۔ اور انسان کو یہ تصوّر رسولوں اور الہامی کتابوں (کلامِ الٰہی) سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اس کائنات کی تخلیق میں پیدائشی ترتیب کا یقین و تسلیم، رسول اور کلامِ الٰہی کے یقین پر منحصر ہو سکتا ہے۔ کہ کلامِ الٰہی کو مبنی بر حق تسلیم کرتے ہوئے کائنات کی تخلیق میں وجودی کیفیتوں اور ان کی پیدائش سے متعلق علم کو بلا دلیل تسلیم کیا جائے۔ کہ کائنات کی ابتدائی علت، علتِ لامحدود۔ اللہ ہے۔ اسی تصوّر پر کتابِ الٰہی۔ قرآن نے خود ایک نوری تصوّر پیش کیا جسے کرسی سے موسوم کیا گیا۔

قرآن کائنات کی تخلیق کے چند آثار کا ذکر کرتا ہے۔ جس سے کائنات کی تخلیقی ترتیب اور ہیئتوں کا تصوّر ملتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ[ل] تحقیق اللہ کل کائنات پر احاطہ کئے ہے۔ یعنی کل کائنات اللہ کے نور میں مرکز کی حیثیت میں واقع ہے۔ اس ارشاد میں اللہ —— وَاسِعٌ —— عَلِيْمٌ تین تصوّر ہیں۔ ایک لامحدود، نورِ مستقل اللہ، دوسرا کائنات کی علتِ اوّل وَاسِعٌ اور تیسرا اللہ اپنی مخلوق کی ہر کیفیت کا علم رکھتا ہے۔ (ل پارہ۔ اوّل، سورہ۔ ۲، آیت ۱۱۰)

گزشتہ بیان میں کائنات کی پیدائشی ترتیب میں (ا) اور (ب) کے خاکہ میں "وَاسِعٌ" کی ترتیب ظاہر کی گئی۔ کہ نورِ اوّل (ب) علتِ لامحدود کے مرکز میں قیام رکھتا

ہے۔ یہ خاکہ وَاسِعٌ کی نشاندہی کرتا ہے۔ نُورِ اَوّل خود علّت کی حیثیت میں تمام کائنات کے معلول وجودوں کی علّتِ اوّل قرار دی جاتی ہے۔ یعنی تمام کائنات کے وجودوں کا مادہ (MATERIAL) اسی نُورِ اَوّل سے ساختہ ہے۔ لہٰذا نُورِ اَوّل تمام کائنات پر وَاسِعٌ ہے۔ اور ہر وجود میں اسی بنیادی وجود کا نُور اصل مُرکّب (MATERIAL) ثابت ہوتا ہے۔ نُورِ اَوّل پر نُورِ مُستقل کا ہر جہت سے احاطہ، وَاسِعٌ سے تعبیر ہے۔ اور خود نُورِ اَوّل کل کائنات پر احاطہ رکھتا ہے۔ اس حال میں کہ ہر معلول خود علّت بنتا ہے۔ اسی علّت کے مرکز میں اسی کے وجود سے ایک نیا وجود معلول ہوتا ہے۔ ان کیفیتوں کے وقت "زمانہ" اور "تعداد" کا تعیُّن عقلی طور پر احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ کہ ازل سے اَبد کی طرف "کتنی مدّت میں" ——— اور "کتنے نُوری وجود" پیدا ہوتے۔ یہاں تک کہ قرآنی اشارہ کے مطابق کُرسی کے نُوری وجود کا ایک تصوّر ملتا ہے جس کے مُطابق قرآنی بیان ہے۔

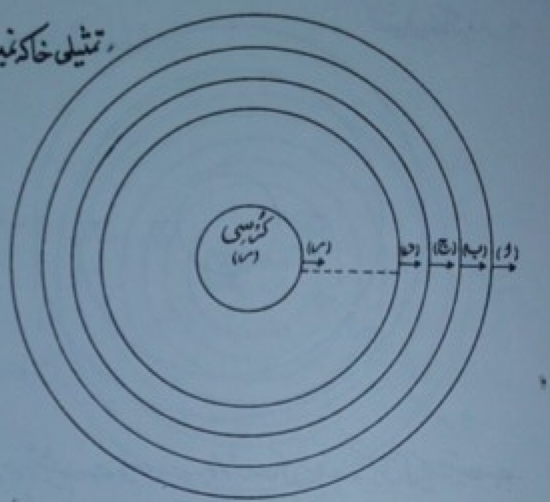
وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ [1] (اُس کی کُرسی نے آسمانوں اور زمین کو اپنے پیٹ میں سما رکھا ہے) یعنی کُرسی میں آسمانوں اور زمین کا وجود سمایا ہوا ہے۔ کُرسی ـ آسمانوں اور زمین کی بُنیادی علّت ہے۔ آسمانوں کے متعلق قرآن نے سَبْعَ السَّمٰوٰتِ طِبَاقًا کی تقسیم کا ایک تخلیقی تصوّر پیش کیا کہ کُرسی کے مرکز میں سات آسمانوں کا وجود معلول ہوتا ہے۔ اسی طرح سات آسمانوں کی پیدائشی ترتیب علّت و معلول کی صورت میں طبقوں کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ گذشتہ تمثیلی خاکوں میں ظاہر کیا گیا کہ ایک علّت سے اس کا معلول اس علّت کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تمثیلی خاکہ نمبر ۸)

---

[1] وَسِعَ کُرْسِیُّهُ یہ کیفیت آسمانوں سے اُوپر کی ایک نُوری ہیئت تصوّر کی جاتی ہے جس کا تسلسل ابتدائی نُوری ہیئتوں تک جاتا ہے۔ یعنی نورِ ازل سے مخلوق شدہ نُوری عالموں (ہیئتوں) کی مُسلسل تخلیقی ہیئتوں میں سے ایک ہیئت کُرسی سے موسوم ہے۔ (پارہ ۳ ـ آیۃ الکرسی ـ سورہ ۲)



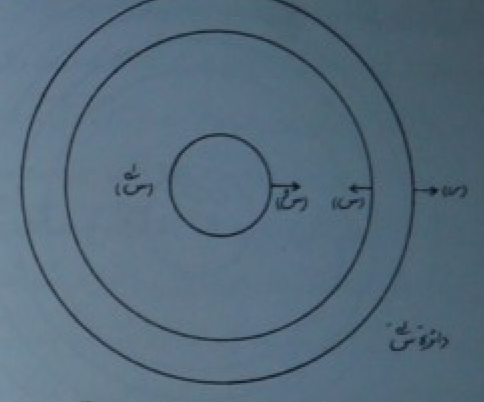
## تمثیلی خاکہ نمبر ۸




تشبیہی دائرے (ا) (ب) (ج) اور (د) گذشتہ خاکوں میں بیان کردہ ابتدائی نُوری ہیئتیں ہیں مرکزی تشبیہی دائرہ (س) کُرسی کی نشاندہی کرتا ہے۔ (د) اور (س) کے درمیانی فاصلے میں بھی علّت و معلول کی شکل میں لاتعداد وجود پیدا ہوئے جن کی تعداد کا تعیُّن نہیں ہوسکتا۔ اور (س) اس سلسلے کی ایک وجودی ہیئت ہے۔ جسے کُرسی کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس مقام پر کُرسی میں سَبْعَ السَّمٰوٰت کا مادہ (MATERIAL) موجود ہے۔ جو علّت و معلول کی ترتیب پر آئندہ تقسیم ہوگا یعنی سات آسمانوں کا بنیادی وجود کُرسی کے نُور سے بنا۔

چونکہ کائنات کے تخلیقی عمل میں مُسلسل وجودوں کی نشاندہی کا تعیُّن نہیں ہے۔ کہ جسے ذہن قبول کرسکیں۔ اس لئے قرآنی حوالہ کے مُطابق اس تخلیقی عمل کی ایک کڑی سے ہی خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو انسانی ذہن قبول کرسکتے ہیں۔ اس تفصیل میں تمثیلی خاکوں کو مختصر کرکے آئندہ کُرسی کے وجود سے سَبْعَ السَّمٰوٰت کی تخلیق کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

## تمثیلی خاکہ نمبر ۹



دائرہ (س۱) تشبیہ ہے کرسی سے۔ جو کائنات کی سلسلہ وار تخلیق کی ایک ہیئت ہے۔

دائرہ (س۲) تشبیہ ہے۔ دائرہ (س۱) کے مرکز میں سَبعَ السَّمٰوات کا وجود جو ابتداء میں کرسی کے مرکز میں پیدا ہو۔

دائرہ (س۳) تشبیہ ہے سَبعَ السَّمٰوات کے مرکب و مجموعے سے۔ اس کے وجود میں سات آسمانوں کا مادّہ (MATERIAL) موجود ہے۔ جو آئندہ علّت و معلول کی ترتیب پر پیدا ہوں گے۔ یہ وجود کرسی کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ اس وجود کی وسعت بھی لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے فطری تخلیقی ترکیب کے مطابق سَبعَ السَّمٰوات کی تقسیم میں پہلے ساتواں آسمان کرسی کے مرکز میں پیدا ہوگا۔ جو خود آسمانِ ششم۔ آسمانِ پنجم تا آسمانِ چہارم۔ آسمانِ سوئم۔ آسمانِ دوئم اور آسمانِ اوّل کا مجموعہ ہوگا۔ ان کی پیدائش بھی اسی طرح علّت و معلول کی صورت میں ہوگی۔ ——— ملاحظہ ہو خاکہ تمثیلی ۱۰

اس خاکہ میں دائرہ (س) کرسی میں سات آسمانوں کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔



## تمثیلی خاکہ نمبر ۱۰




س۱ آسمانِ اوّل س۲ آسمانِ دوئم س۳ آسمانِ سوئم س۴ آسمانِ چہارم س۵ آسمانِ پنجم س۶ آسمانِ ششم س۷ آسمانِ ہفتم۔

دائرہ (س) تشبیہ ہے کرسی سے۔

دائرہ (س۷) تشبیہ ہے آسمانِ ہفتم سے۔ اور یہ آسمان آسمانِ ششم کی علّت ہے۔ آسمانِ ششم آسمانِ ہفتم کے مرکز میں معلول (پیدا) ہوا۔ اسی ترتیب کے ساتھ ہر آسمان معلول کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وقت پر خود علّت کی حیثیت اختیار کرکے اپنے وجود سے اپنے مرکز میں ایک معلول پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح آسمانِ ششم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ پنجم، آسمانِ پنجم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ چہارم، آسمانِ چہارم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ سوئم، آسمانِ سوئم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمانِ دوئم، آسمانِ دوئم کے مرکز میں معلول ہوا۔ آسمان اوّل۔ اور اسی ترتیب سے سَبعَ السَّمٰوات طِبَاقًا

کی طبقہ وار تقسیم ہوئی۔ اور اِس نوری کائنات کی آخری ہیئت آسمانِ یکم ہے جسے آسمانِ اوّل یا آسمانِ دُنیا کہا جاتا ہے۔ اور یہ ایک نوری وجود ہے۔ اِس حال میں کہ ابتدائی تخلیقی ترکیب کے مطابق آسمانِ اوّل میں ایک اور وجود کا پیدا ہونا فطری تخلیقی عمل کے تحت لازم ہے۔ مگر آسمانِ اوّل میں نوری وجود مرکز میں پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ کہ نورِ مستقل سے لے کر آسمانِ اوّل تک۔ ہر نوری ہیئت اپنی پیدائش میں اپنی علت کے مقابلہ میں جزوی، یعنی کمتر قوت رکھتی ہے۔ اِس حیثیت میں آسمانِ اوّل، نوری کائنات کی آخری اور کمترین درجہ کی ہیئت ہے جس میں آئندہ اپنے وجود میں نوری مَعلول پیدا کرنے کی گنجائش نہیں۔ اور اِس مقام پر جب کہ نوری ہیئت میں نوری وجود پیدا کرنے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا آئندہ تخلیقی ترکیب بھی بدل جائے گی۔

واضح ہو کہ گزشتہ تمثیلی خاکوں کی صورت میں تخلیقِ کائنات کا حقیقی تصور عقلی تحقیق سے نہیں بلکہ قرآنی بیان کی روشنی میں پیش کیا گیا۔ جن کی بنیاد اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کے تصور پر قائم ہوئی ہے۔ آئندہ وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے تصور کی بنیاد پر سات آسمانوں کی پیدائشی ترتیب خاکوں کی شکل میں پیش کی گئی۔ آسمانِ اوّل نوری ہیئتوں کی آخری مَعلول ہیئت قرار دی جاتی ہے جس میں آئندہ نوری مَعلول پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ اب جبکہ تخلیق کا تسلسل جاری رہنا فطری تخلیق کے تابع ضروری ہے۔ تو آسمانِ اوّل سے پیدا ہونے والی ہیئتوں کا تصور بھی قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کیا جاتا ہے۔

قرآن نے خود اِس تخلیقی ترکیب کا واضح تصور پیش کیا جس میں سَبْعَ السَّمٰوٰتِ



کی مجموعی ہیئتوں اور اُن کی تخلیق میں آسمانوں کی تقسیم کی ترتیب بیان کی گئی ہے یہ تصور سوائے قرآن کے کسی تحقیق اور کسی دوسرے علم سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔

کیا اُن انکار کرنے والوں نے نہیں دیکھا کہ یہ آسمان اور زمین ایک ہی وجود تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ الگ (ANALYSE) کیا۔ پھر ہم نے (زمین میں) پانی سے ہر شے کو متحرک و محسوس کیا۔ اِس بیان میں سَمٰوٰت سے مُراد سات آسمان ہیں۔ رَتْقًا میں سات آسمانوں کی مجموعی ہیئت کا ابتدائی تصور دیا گیا ہے (جو کہ تمثیلی خاکوں (۲) اور (۳) کے تشبیہی دائروں کی صورت میں خاکہ نمبر ۹ میں دکھایا گیا) اور سات آسمانوں کی مجموعی ہیئت میں، آسمانوں کی تخلیقی ترکیب کو فَفَتَقْنٰهُمَا[1] کی تخلیقی ترتیب میں پیش کیا گیا۔ یہ ترتیب فَتَقٌ سے اخذ کی گئی۔ "فَتَقٌ" حکمت کی رُو سے کسی مجموعی ہیئت سے اُس کی جز کے خارج ہونے کی ایک ترکیب ہے جیسے ایک پیالے کے سوراخ سے قطرہ پیالے سے جدا ہونے پر مخروطی شکل میں گرتا ہے۔ یعنی ایک وجود سے اُس کی جز کا مخروطی شکل میں خارج ہونا۔ یہی ترتیب آسمانوں کی پیدائش میں کارفرما رہی۔ کہ آسمانِ ہفتم سے آسمانِ ششم اُس کے جز کی حیثیت میں اُس کے مرکز میں پیدا ہوا۔ اور ہر آسمان اِسی ترتیب کے ساتھ اپنی علت کے مرکز میں ظاہر ہوتا رہا۔ اور یہی ترتیب آسمانِ اوّل کی پیش کی گئی۔ کہ آسمانِ اوّل کے مرکز میں بجائے

---

[1] ملاحظہ ہو خاکہ ۱۰، صفحہ نمبر ۱۸۷

ایک نوری وجود کے ایک سے زائد ہیولے نکلنے شروع ہوئے۔ اِس ترتیب میں "فتق" کی اصل ترتیب بیان کی گئی۔ کہ یہ ہیولے آسمانِ اوّل سے خارج ہو کر مخروطی شکل میں فضائے آسمانی (آسمانِ اوّل) میں معلق ہوتے گئے۔ اِن ہیولوں کی شکل مخروطی گول ہونا ثابت ہے۔ اِس کیفیت کا قرآن نے ایک علیحدہ تصور پیش کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ[1] ۔ اور البتہ سجایا ہم نے آسمانِ اوّل کو چراغوں سے۔ ایک دوسری جگہ پر اِسی کیفیت کو اور وضاحت سے بیان کیا۔ وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ ۔ اور ہم نے زینت دی آسمانِ دنیا کو ستاروں اور سیاروں سے ۔ یہ ستارے (ہیولے) آسمانِ اوّل کے مرکز کے مقام پر خارج ہو کر اِسی آسمان کی فضا میں معلق ہوتے رہے۔ اور اِسی طرح تخلیقی عمل کا سلسلہ جاری رہا۔ کہ ہر ستارے میں بھی تخلیقی عمل کے تابع علت و معلول کی صورت میں اُس کی اپنی قوت تقسیم (ANALYSE) ہوتی رہی۔ لہٰذا اِسی اصول کے تحت ہر ہیولے (ستارے) سے جتنی اُس میں معلول پیدا ہونے کی گنجائش تھی۔ مزید سیارے معلول ہو کر اِس وجود سے باہر فضائے آسمانی میں معلق ہوتے گئے۔ اِس عمل میں "فتق" کا طریق کارفرما رہا۔ کہ ہر ستارے سے اُس کے اجزاء تناؤ اور پھیلاؤ (PUSH & PULL) کے اثر کے تحت، جُدا ہو کر فضائے آسمانی میں پھیلتے رہے۔ اِس مقام پر تناؤ اور پھیلاؤ کی وضاحت ضروری ہے۔ کہ (PUSH & PULL) سے کیا مُراد لی جاتی ہے؟۔ مغربی محققین کی تحقیق سے بھی یہ امر ثابت ہے،

---

[1] (پارہ ۲۹، سورہ ۶۷، آیت ۵)



کہ غالب ناری وجود میں "منفی" — "مثبت" یعنی (NEGATIVE – POSITIVE) قوتیں پائی جاتی ہیں۔ اِن قوتوں کے مرکب کو "برق" (ELECTRICITY) سے موسوم کیا گیا۔ اِن دونوں قوتوں میں حرکت و رفتار پائی جاتی ہے۔ جو دو مختلف (مخالف) اشکال میں جاری رہتی ہے۔ ناری وجود، نوری وجود ہی کی جز (معلول) ہے۔ لہٰذا نوری وجودوں میں بھی اِن دو قوتوں یعنی (PUSH & PULL) کا پایا جانا یقینی ہے۔ اِن دو قوتوں کے آپس میں ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ جس کے اثر کے تحت ایک وجود سے اجزاء بکھر کر الگ ہوتے ہیں۔ بس ظاہر ہوا کہ یہی "منفی" "مثبت" قوت سبب فتق ہے۔ کسی وجود سے اُس کے اجزاء خارج کرنے کا۔ اور اِنہی قوتوں میں کھنچاؤ اور پھیلاؤ کا اثر پایا جاتا ہے کہ ایک قوت (PUSH) کسی وجود کے جز پر دباؤ ڈال کر اُس کو باہر دھکیل دیتی ہے۔ اور دوسری قوت (PULL) اِس جز کو بازگشت میں واپس کھینچتی ہے۔ اِن دو کیفیتوں کو ایک ناری وجود کی تپش (HEAT) اور کشش (GRAVITATION) کا اثر تصور کیا جاتا ہے۔ یہ امر محقق ہے۔ کہ ہر ناری، نوری وجود میں تین کیفیتیں یعنی روشنی (LIGHT) تپش (HEAT) اور کشش (GRAVITATION) پائی جاتی ہے۔ تپش (HEAT)، اور کشش (GRAVITATION) کی اِن قوتوں میں تناؤ اور پھیلاؤ یعنی (PULL & PUSH) کا اثر پایا جاتا ہے۔ لہٰذا تپش (HEAT) کے اثر سے ایک وجود (جز) اپنی علت سے جُدا ہو کر (PUSH تپش) کے زیرِ اثر تیز رفتاری کے ساتھ فضائے آسمانی میں پرواز کرتا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی کشش (GRAVITATION) کا اثر بھی کارفرما رہتا ہے۔ جس میں کسی چیز کو کھینچ لینے (PULL) کی خاصیت پائی جاتی ہے۔ لہٰذا تپش (HEAT) کی (PUSH

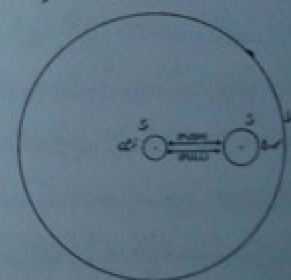
کے زیرِ اثر خارج ہوئے وجود کو (منفی) "کشش" (GRAVITATION) واپس کھینچ لیتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک خارج ہوئے وجود پر جہاں تک (PUSH) کا اثر طاری رہتا ہے، یہ وجود دُور تک پرواز کرتا ہے۔ اِس کے برعکس (PULL) کی قوت اسے کھینچتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ (PUSH) کی قوت مدغم (NEUTRALISE) ہونے پر یہ وجود، دونوں قوتوں کے اثر میں محصُور ہو کر ایک جگہ قرار (EQUILIBRIUM) پاکر (PUSH & PULL) کے عمل سے ایک مدار میں گردش کرنے لگ جاتا ہے۔

اِس وجود کا گردش کرنا محض ان دو قوتوں کے زیرِ اثر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں قوتیں ایک مُنفصل وجود کی علت سے خارج ہو کر اس مُنفصل پر ہر لمحہ اثر انداز رہتی ہیں۔ ایک قوت (PUSH) کا اثر ڈالتی ہے۔ اور دوسری (PULL) کا اثر ڈالتی ہے جس کے نتیجہ میں اِس وجود کی گردش لازمی طور پر دو نوعیتوں کی ہو جاتی ہے پہلی نوعیت میں

---

حاشیہ ۱

(منفی۔ مُثبت) برقی قوتوں کے زیرِ اثر ستاروں کی گردش (NEGATIVE – POSITIVE) ملاحظہ ہو خاکہ۔ ۱



۱ آسمانِ اوّل کا فرضی مرکزی دائرہ

۲ سورج اور ۳ زمین

( سلسلہ حاشیہ صـ ۱۹۳ )



یہ وجود اپنے محور میں گردش کرتا ہے۔ اور دوسری نوعیت میں اپنی علت کے (PULL & PUSH) کے زیرِ اثر ایک دائرے کی شکل (مدار) (ORBIT) میں گردش کرتا ہے۔ آسمانِ اوّل میں ہر مُنفصل سیارے کی یہی ترتیب ہے۔ کہ آسمانِ اوّل سے مُنفی۔ مُثبت قوتوں کے ٹکراؤ سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے جس

---

بسلسلہ حاشیہ صـ ۱۹۲: سورج میں فطری تخلیقی عمل کے تحت برقی قوت سے دھماکہ ہوا اور ایک ٹکڑا (زمین) (PULL & PUSH) کے زیرِ اثر سُورج سے الگ ہو کر لاکھوں میل دُور فضائے آسمانی میں نکلا اور (PULL & PUSH) کے عمل کے تحت ایک مقام پر اس ٹکڑے (زمین) کی رفتار ختم ہو گئی اور زمین فضائے آسمان میں معلق ہو گئی۔ (PULL & PUSH) کی قوتوں کے زیرِ اثر زمین میں دو نوعیت کی گردشیں پائی جاتی ہیں۔

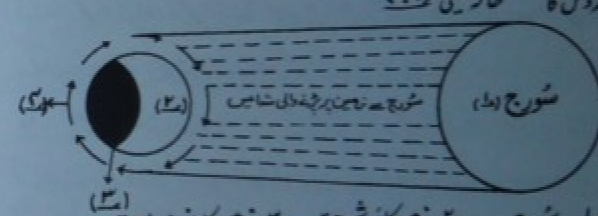
(۱) پہلی نوعیت میں زمین اپنے محور کے گرد گھومتی ہے۔ (جیسے کہ لٹو گھومتا ہے) اور (۲) نوعیت میں زمین سُورج سے ایک مخصُوص فاصلے پر ایک دائرے (مدار) (ORBIT) میں چکر کاٹتی ہے۔ یہ تخلیقی عمل آسمانِ اوّل کے مرکز میں پیدا شدہ ہر ستارے میں پایا جاتا ہے کہ ہر ستارہ انہی دو قوتوں (PULL & PUSH) کے زیرِ اثر محو گردش ہے۔ اِس لئے فطری تخلیقی عمل کے تابع ہر ستارہ اپنی ایک علت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور اپنی علت کے گرد اسی طرح گردش کرتا ہے۔ چونکہ یہ ستارے جسامت میں لاانتہا وُسعت اور تپش کے حامل ہیں۔ اِن کی گردش کی رفتار اور زمانہ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ چونکہ یہ مجسّم ناری ستارے ہیں۔ اِن کی ایک گردش بھی سالہا سال میں پوری ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اِس تخلیقی عمل کے تابع یہ امر طے شدہ ہے۔ کہ ہر ستارہ اپنی علت کے گرد ہی گردش کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی ستارہ

سے ایک وجود میں سے اس کے اجزاء بکھر کر فضائے آسمانی میں (PUSH & PULL) کی قوتوں میں محصور ہو کر محوِ گردش ہوتے ہیں —— جیسا کہ بیان ہوا کہ ان نوری ہیئتوں کی تخلیق میں، ہر وجود اپنی علّت کے مرکز میں قرار کرتا رہا یہاں تک کہ ان نوری ہیئتوں کی آخری ہیئت (آسمانِ اوّل۔ آسمانِ دوئم

---

سلسلہ حاشیہ ۱۹۳

ساکن نہیں۔ اور آسمانِ اوّل کے ہر ستارے کی گردش میں — ہر ستارہ اپنی جلو میں اربوں ستاروں کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ اسی گردش میں۔ سُورج اور زمین کی گردش کا ایک کائناتی عمل برابر جاری ہے — ملاحظہ ہو سُورج کے گرد زمین کی محوری (چوبیس گھنٹے) گردش کا خاکہ تمثیلی ع (ب)




ع۱ سُورج —— ع۲ زمین کا روشن حصہ۔ ع۳ زمین کا اندھیرا حصہ ——
ع۴ زمین کی محوری گردش کی ترتیب۔

فطری تخلیقی ترتیب کے مطابق سُورج اپنے مستقِل مدار (ORBIT) میں معلّق ہے۔ اور زمین سُورج سے کروڑوں (۹ کروڑ) میل دُور اپنے مدار (ORBIT) میں (PULL & PUSH) کی قوت کے زیرِ اثر سورج کی کشش میں لٹو کی طرح مانند چوبیس گھنٹے کی ایک گردش پورا کرتی ہے جس سے زمین پر دن اور رات کی کیفیت پیدا ہوتی ہے یعنی سُورج کی روشنی زمین پر وارد ہونے سے "دن" کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور "رات" خود زمین کی پیدا شدہ کیفیت ہے۔ جو ہر لمحہ زمین پر چھائی رہتی ہے۔ (سلسلہ دیکھو حاشیہ ۱۹۵)



کے مرکز میں وجود پذیر ہوئی —— اور تخلیقی عمل کے مطابق آسمانِ اوّل میں آئندہ نوری وجود پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا اِس مقام پر تخلیقی ترتیب کا بدلنا لازم ہُوا۔ وہ یہ کہ آسمانِ اوّل کے مرکز میں بجائے نوری وجود پیدا ہونے کے۔ نوری قوت سے کثیف ہیئت کی شکل میں۔ کثیر تعداد

---

واضح ہو کر زمین کائنات — اور آسمانِ اوّل میں پیدا شدہ وجودوں کی آخری تنزل ہیئت ہے —— اور زمین میں پیدا شدہ خاکی ہیئتیں بھی تخلیق کی آخری کیفیتیں ثابت ہیں — محققین کے نزدیک۔ زمین سُورج کی جز ثابت ہے۔ وجودی اعتبار سے۔ ابتداء میں زمین ناری کُرہ کی ہیئت میں تھی۔ اُس زمانہ میں۔ زمین پر۔ دن۔ اور رات کی کیفیت نہیں پائی جاتی تھی — اور جب زمین خاکی ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ تو اُس کی ناری قوت روشنی بھی مختلف گیسوں میں تقسیم ہو کر۔ آخری تنزل (ULTIMATE STATE) ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ اِس ہیئت کو "ظلمت" (DARKNESS) سے مَوسُوم کیا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چونکہ زمین کی پیداوار ہے۔ اس لیے یہ ظلمت زمین کی روشنی کی جگہ تمام زمین پر چھا گئی۔ اِس تخلیقی عمل سے یہ واضح ہے کہ زمین فطری طور پر "ظلمت" میں گھری ہوئی ہے۔ جبکہ اِس پر روشنی کا وجود موجود نہیں۔ لیکن چونکہ زمین پر اِس کی پیدائش کے ساتھ ہی۔ سُورج کی نوری شعاعیں وارد ہوتی رہیں۔ لہٰذا زمین کی۔ محوری گردش میں۔ زمین کا جو حصہ سُورج کی شعاعوں کی زد میں آتا ہے۔ اُس حصہ پر زمین کی "ظلمت" — سُورج کی روشنی میں جذب ہو کر غیر محسوس ہوتی رہی۔ اور زمین کا یہ حصہ روشن ہوتا ہے۔ اِس کیفیت کو "دن"۔ (DAY) سے مَوسُوم کیا گیا —— اور زمین کے عقبی حصہ پر چونکہ۔ زمین خود سُورج کی شعاعوں میں (سلسلہ دیکھو حاشیہ ۱۹۶)

ہیولے (ناری شعلے) پیدا ہوتے —— چونکہ کائنات کا تخلیقی سلسلہ فطری طور جاری رہنا لازمی ہے۔ لہٰذا۔ ہر ہیولے (ستارہ) میں اجزاء خارج ہونے کی جتنی گنجائش ہوگی اُسی قدر ان ستاروں سے اجزاء (ستارے) خارج ہوکر ہر ستارہ اپنی علت کی (PULL & PUSH) کی قوت کے زیرِ اثر محوِ گردش

---

حائل رہی۔ اس لیے زمین کے اس حصہ پر ابتداء سے ہی ظلمت (اندھیرا) کی کیفیت طاری رہی۔ اِس کیفیت کو "رات" (NIGHT) سے موسوم کیا گیا۔

واضح ہو کہ سورج کی شعاعوں کا یہ عمل زمین کی ابتدائی پیدائش سے شروع تھا۔ کہ زمین پر سورج کی شعاعیں مسلسل وارد ہوتی رہیں۔ سورج کی شعاعوں کا یہ فطری عمل ہے۔ کہ یہ شعاعیں سورج سے نکل کر کروڑوں میل (PUSH & PULL) کے زیرِ اثر فضا میں پھیلتی جاتی ہیں۔ ان میں سے کچھ زمین سے ٹکرا کر زمین کو روشن کرتی ہیں۔ اور کچھ زمین کے اطراف سے آگے نکل کر فضا میں پھیل جاتی ہیں —— ان شعاعوں کا اثر "منفی" (NEGATIVE) اور "مثبت" —— (POSITIVE) ہوتا ہے۔ اس اثر کے تابع۔ شعاعیں زمین سے ٹکرا کر واپس سورج کی طرف لوٹ جاتی ہیں۔ یہ جاننا ضروری ہے۔ کہ زمین پر وارد ہونے والی شعاعیں لہروں کی شکل میں زمین تک پہنچ کر آناً فاناً واپس لوٹ جاتی ہیں۔ ان شعاعوں کا زمین پر مستقل قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک سیکنڈ کے قلیل حصہ میں زمین سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتی ہے۔ لیکن سورج کی روشنی کی مسلسل تیز رفتاری میں زمین پر پہنچنے والی شعاعوں کی آمد و رفت کا ادراک نہ ہونے کے سبب ہم زمین پر مستقل حالت میں روشنی کو ایک ہی حالت میں قرار کیا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ —— یہ شعاعیں "نور" —— سے بھی موسوم ہوتی ہیں۔ جن سے زمین



رہے گا —— یہاں پر یہ واضح رہے۔ کہ فطری تخلیقی عمل کے تابع نوری وجود اجزاء میں تقسیم (ANALYSE) ہوتے ہیں۔ اِس حال میں کہ معلول وجود پیدا ہونے کے ساتھ علت کا وجود بھی باقی رہتا ہے —— اور ہر معلول اپنی علت کے

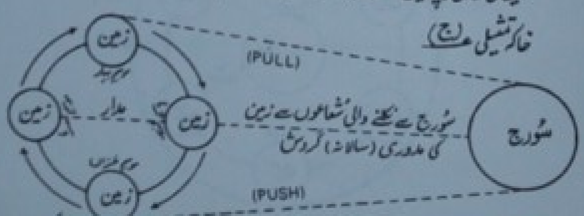
---

سلسلہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶

روشن ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر محقق و مسلمہ ہے۔ کہ زمین کا تمام وجود۔ زمین کی اپنی نوری تنزلی کیفیت "ظلمت" سے گھرا ہوا ہے —— اور وہ حصہ جو سورج کی روشنی کی زد میں آکر روشن ہو جاتا ہے حقیقتاً اس حصہ پر بھی زمین کی ظلمت کی کیفیت موجود ہے۔ لیکن سورج کی روشنی کی زد میں آنے سے۔ اس ظلمت کو محسوس نہیں کیا جاتا۔ مثال کے طور پر۔ اگر سورج کی روشنی کی زد میں آنے والے حصہ کو دیواروں سے ڈھانپ دیا جائے۔ اس حال میں کہ روشنی کو زمین تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے۔ تو یہ حصہ اندھیرا محسوس ہوگا۔ یعنی اس حصہ پر زمین کی پیدائشی ظلمت محسوس ہوگی۔ اس عمل سے یہ واضح ہے۔ کہ کائنات کی تخلیق میں اس کی ابتداء "نور" سے ہوتی ہے۔ اور اس کی انتہا "زمین" —— اور "نور" کی آخری تنزلی ریشہ ظلمت پر ختم ہوتی ہے۔

زمین کی محوری (چوبیس گھنٹہ کی) گردش کے بعد ملاحظہ ہو زمین کی مداری (سالانہ) گردش کا خاکہ

خاکہ تمثیل صفحہ (ج)



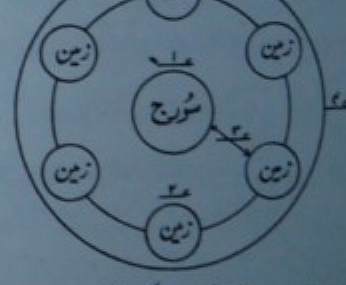

زمین پر سورج سے کروڑوں میل دور اپنے مدار پر (PUSH & PULL) کی کشش کے زیرِ اثر سورج کے گرد ایک سال میں ایک گردش پوری کرتی ہے جس سے زمین پر چار موسم (سلسلہ حاشیہ ۱۹۸)

مقابلہ میں کمتر درجہ ہیئت رکھتا ہے۔ آسمانِ اوّل نوری وجودوں کی کمترین درجہ ہیئت ہے۔ اور آسمانِ اوّل سے پیدا شدہ ستارے بھی اسی طرح نوری آسمانِ اوّل سے کمتر درجہ کی ہیئت اختیار کرتے ہیں۔ چونکہ اِن کے خالص نوری وجود نہیں۔ اِس لیے ایسے وجود "ناری" ہیئت تصور کیے جاتے ہیں۔ اِن وجودوں میں بھی تپش۔ اور کشش ——— اپنی عِلّت سے درجہ میں آتی ہیں۔ اور آئندہ ان

---

(۱) موسمِ بہار (SPRING SEASON) (۲) موسمِ گرما (SUMMER SEASON)
(۳) موسمِ خزاں (AUTUMN SEASON) (۴) موسم سرما (WINTER SEASON)
بنتے ہیں۔

خیال رہے۔ کہ علمائے علمِ الہیئت۔ زمین کی مدوری (سالانہ) گردش کا جو خاکہ پیش کرتے ہیں۔ تخلیقی عمل کی رُو سے اِس خاکہ کی ترتیب درست نہیں جیسے (خاکہ)




(۱) سُورج کا مقام مدار کے مرکز میں دکھایا گیا ہے۔

(دیکھیے سلسلہ حاشیہ صـ۱۹۸)



ناری وجودوں سے جو اجزاء معلول (پیدا) ہوں گے۔ وہ بھی "ناری" ہیئت میں پائے جائیں گے۔ البتہ ہر معلول وجود (سیارہ) اپنی علّت کے مقابلہ میں، روشنی ——— تپش ——— اور کشش میں کمتر قوت کا حامل ہوگا۔
اس سلسلہ میں آسمانِ اوّل میں تخلیقی عمل سے ستاروں کی پیدائش کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو خاکہ تمثیل نمبر ۱۱ صـ۲۰۰

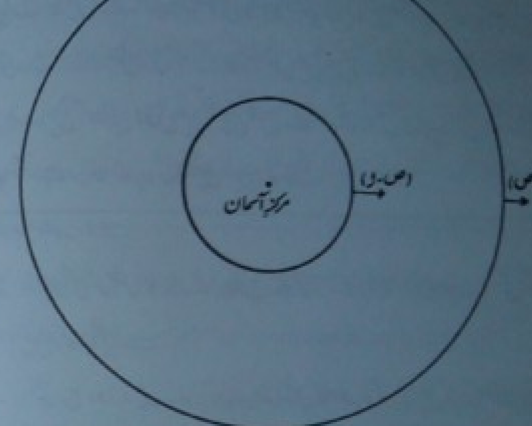
---

بسلسلہ حاشیہ صـ۱۹۸

ع۲ زمین کی گردش کا مدار۔ سورج کے گرد۔ دائرہ (CIRCLE) کی شکل میں دکھایا گیا ہے۔
ع۳ سُورج اور زمین کے درمیان متوازی فاصلہ نو کروڑ میل کی مسافت ہے۔
ع۴ دائرے کی صُورت میں۔ سُورج کے گرد زمین کی گردش کا فاصلہ بھی کروڑوں میل کی مسافت میں بنتا ہے۔ جو فاصلہ زمین، بارہ ماہ کی گردش میں پُورا نہیں کر سکتی۔ اِس لیے علمائے علمِ الہیئت کا مُرتب کردہ خاکہ دُرست نہیں۔ اصل خاکہ صـ۱۹۷ پر دیا گیا۔

---

## تمثیلی خاکہ نمبر ۱۱



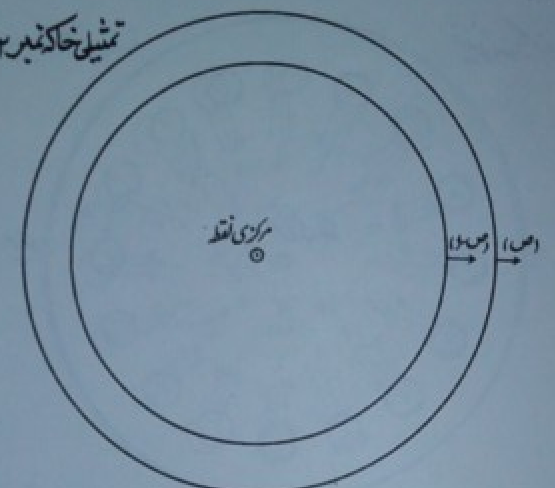

دائرہ (ص) تشبیہ ہے۔ آسمانِ اوّل سے، جو کہ نوری ہیئت کا وجود ہے۔

دائرہ (ص ا) تشبیہ ہے، آسمانِ اوّل کے مرکز کے فرضی دائرہ سے۔

چونکہ فطری تخلیق کے تابع ہر وجود اپنی علت کے مرکز میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے آسمانِ اوّل میں پیدا ہونے والے وجود (یعنی سیارے) بھی اُس کے مرکز میں ہی پیدا ہونگے جبکہ بقیہ فضا یکسر نوری ہوگی۔ اور مرکز میں خارج ہونے والے سیارے چونکہ کثیف ہیئت کے حامل ہیں۔ اسلئے آسمانِ اوّل کا مرکزی مقام بقیہ آسمانی فضا کے مقابلے میں کمتر درجہ کی قوت کا حامل ہوگا۔ اور جوں جوں اس مرکزی فضا میں مرکزی نقطہ کی طرف سے (سیارے) خارج ہونگے۔ ویسے ہی مرکزی مقام کی طرف (مرکزی) فضائے آسمانی بھی ناری ہیئت اختیار کرتی جائے گی۔ اس حال میں کہ یہ مرکزی مقام دراصل آسمانِ اوّل ہی کا وجود ہے۔ لیکن تخلیقی عمل کے تحت مرکز میں ناری منقول سیارے پیدا ہونے کی صورت میں اس آسمان کی ہیئت ناری تصور کی جائے گی۔ (ملاحظہ ہو خاکہ تمثیلی ۱۲)



## تمثیلی خاکہ نمبر ۱۲




دائرہ (ص) تشبیہ ہے۔ آسمانِ اوّل سے۔

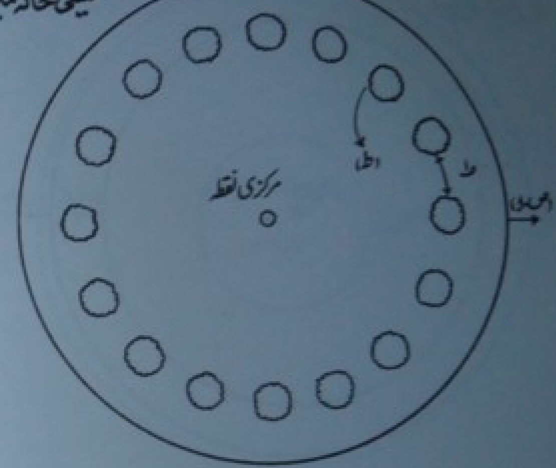
دائرہ (ص ا) تشبیہ ہے۔ آسمانِ اوّل کے فرضی مرکز سے

چونکہ آسمانِ نوری (اوّل) کی وسعت لا انتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ اسلئے اس کا مرکز بھی لا انتہا وسعت کا حامل ہوگا۔ جس میں انسانی مشاہدہ میں آنے والے لاتعداد سیارے واقع ہیں۔ اس فرضی فضا کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ جب ہمارے قریبی سیاروں کا درمیانی فاصلہ اربوں میل ہے۔ تو ان لاتعداد سیاروں کے درمیان اسقدر زیادہ فاصلہ پایا جاتا ہے۔ کہ اس کی وسعت کا اندازہ میلوں میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انسانی مشاہدہ میں آنے والے قریبی سیارے ہیں جن کی درمیانی مسافت لاتعداد ہے۔ سے

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"

اس سے ماوراء اور بھی سیارے ہیں جن کا درمیانی فاصلہ اَن گنت ہے۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۲۰۲ خاکہ ۱۳)

## تمثیلی خاکہ نمبر ۱۳




دائرہ (ص ا) صفحہ نمبر ۹۸ خاکہ نمبر ۱۰ پر آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ تصور کیا جاتا ہے۔

دائرہ (ط) فرضی مرکزی دائرہ میں پیدا ہونے والے ناری پیوسے (سیارے) جو ابتداءً آسمانِ اوّل سے (PUSH & PULL) کے زیر اثر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی ترتیب پیدائش قرآنی آیت فَفَتَقْنٰهُمَا کی ترکیب پر فَتَق (خارج) ہوئی۔ جن کی ہیئت مخروطی شکل کی ہے۔ اور آئندہ (ط) سیاروں میں سے سیارے فَتَق (خارج) ہو کر مرکزی نقطہ کی طرف پھیلتے چلے جائیں گے۔

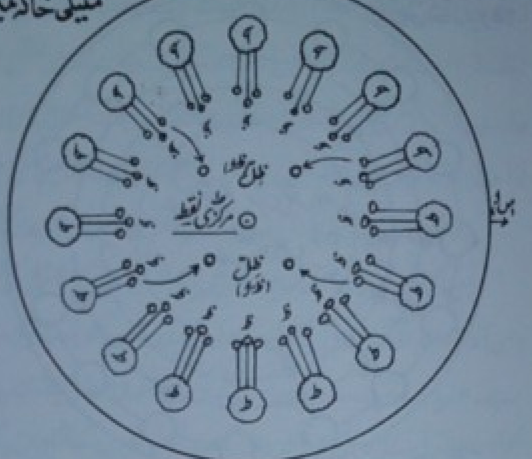
ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۲۰۳ خاکہ تمثیلی ۱۴

---

ط  آسمانِ اوّل کے دو ابتدائی ستارے جن کی اپنی جسامت طول و عرض لا انتہا وسعت کے حامل ہیں۔ اور جن کا درمیانی فاصلہ اربوں میلوں سے گزر کر لا انتہا مسافت میں پایا جاتا ہے۔ اسی طرح ہر ستارے کا درمیانی فاصلہ لا انتہا وسعت کا حامل ہے۔



## تمثیلی خاکہ نمبر ۱۴




دائرہ (ص ا) آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ ہے۔

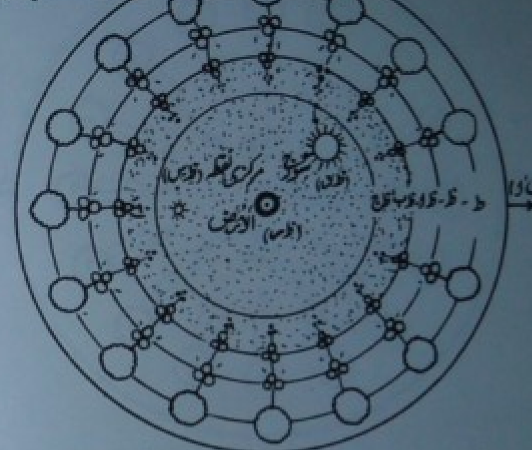
دائرہ (ط) آسمانِ اوّل کے فرضی مرکزی دائرہ میں پیدا ہونے والے ابتدائی پیوسے (سیارے)

دائرہ (ظ) ابتدائی پیوسوں (ط) سے فَتَق (خارج) ہونے والے سیارے جو مرکز کی طرف پھیلتے ہیں۔

اِس خاکہ میں اِن پیوسوں (سیاروں) کی وسیع جسامت کی نشاندہی بوجہ وسعت نہ ہونے کے فرضی نشانوں سے ظاہر کی جاتی ہے چونکہ کاغذ کی سطح پر یہ ممکن نہیں کہ اِن تمام سیاروں کا خاکہ اصل حالت میں کھینچا جاسکے۔ مزید برآں اِن سیاروں کے پیوسے بھی لاتعداد گنتی میں لاانتہا جسامت، روشنی، تپش، کشش کے حامل، وسیع فضائے آسمانی میں پھیلے ہوئے ہیں۔ جن کی تعداد، جسامت، طول و عرض وغیرہ لامحدود و لاتعداد تک وسیع تصور کیے جاتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو صفحہ نمبر ۱۸۰، خاکہ تمثیلی ۱۰)

### تمثیلی خاکہ نمبر ۱۵




(ظ ۔ د) آسمانِ اوّل کے مرکز میں ایک ستارہ "سورج" کی نشاندہی کرتا ہے جو اس مقام پر لاتعداد، اَن گنت ستاروں میں سے ایک نظر آنے والا ستارہ ہے۔

(ظ ۔ ر) آسمانِ اوّل کے عین مرکزی نقطہ کے مقام پر ستارہ اَلْاَرْضِ "زمین" کی نشاندہی کرتا ہے۔ یہ ستارہ بھی آسمانِ اوّل میں واقع ہے۔ باقی ستاروں میں اس کی کوئی علیحدہ حیثیت نہیں جو آسمان سے باہر ہو۔

(ظ ۔ س) آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ (زمین) کے قریب کا ستارہ، جو "چاند" کے نام سے موسوم ہے۔

مثالی نقطے آسمان میں پھیلے ہوئے لاتعداد ستاروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

(ص ۔ ل) آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ۔

(ظ) دائرہ فرضی جہاں آسمانِ اوّل کے مرکز سے ابتدائی سیّارے نکلتے ہیں۔



(ظ) دائرہ فرضی جہاں (ظ) سیّاروں سے نکلے ہوئے سیّارے فضا میں معلق ہیں۔

(ظ ۔ ل) دائرہ فرضی جہاں (ظ) سیّاروں سے نکلے ہوئے سیّارے فضا میں معلق ہیں۔

(ظ ۔ ب) دائرہ فرضی جہاں (ظ ۔ ل) سیّاروں سے نکلے ہوئے سیّارے فضا میں معلق ہیں۔

(ظ ۔ ج) دائرہ فرضی جہاں (ظ ۔ ب) سیّاروں سے نکلے ہوئے سیّارے فضا میں معلق ہیں۔

یہ فرضی دائرے آسمانِ اوّل کے مرکز میں واقع سیّاروں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

جیسا کہ خاکہ نمبر ۱۴ (صفحہ نمبر ۲۰۲) میں ابتدائی سیّاروں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

اسی انداز سے باقی دائروں پر معلول در معلول سیّاروں سے نکلے ہوئے سیّارے نکلتے رہے۔ اور یہ سب سیّارے آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ کی طرف پھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ آسمانِ اوّل کے عین مرکزی نقطہ پر، جو ستارے انسانی نظروں کے مشاہدہ میں آتے ہیں (اپنے سے) اوپر کے ستاروں سے معلول ہو کر ایک لاانتہا وسعتِ آسمانی میں معلق ہوتے گئے۔ ان سیّاروں میں معروف سیّارہ "سورج" (جو پہلے ستارے کے ایک عظیم ستارے سے معلول ہوا) (ظ ۔ د) وجود میں آیا۔ اس سورج سے بھی کئی ستارے معلول ہوئے جن میں معروف ستارے زہرہ، مشتری، زحل، مریخ، عطارد وغیرہ انسانی علم میں آچکے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک مخصوص و مشہور ستارہ سورج سے معلول ہوا۔ جو اَلْاَرْضِ (ظ ۔ ر) "زمین" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی طرح ایک اور ستارہ جو انسانی علم و مشاہدہ میں آچکا ہے اس کا نام "قمر" (چاند) ہے۔ علم الہیئت کے مفکرین اس "چاند" کو "زمین" کا معلول قرار دیتے ہیں۔ گویا سورج، چاند، زمین اور دیگر ستارے، آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ پر واقع آسمان کے ستارے شمار ہوتے ہیں۔ اور جس طرح آسمانِ اوّل، نور کی آخری کمترین ہیئت تصور کی جاتی ہے۔ اسی طرح پر تحقیق ہے۔ کہ زمین آسمانِ اوّل کے عین مرکزی

نقطہ پر واقع ناری ستاروں کی آخری مسئول ہیئت ہے اور فطری تخلیقی عمل کے تحت اس وجود (زمین) سے بھی اس کے اجزا مسئول ہونا ضروری ہیں۔

خاکِ تمثیل نمبر ۵ الف[1] آسمانِ اوّل کے مرکز کا فرضی دائرہ ہے جس میں ستاروں کے مقامات کی فرضی نشاندہی کی گئی ہے۔ یعنی ابتدائی ستارے جو بیرونی دائروں پر دکھائے گئے ہیں۔ ان کی جسامت تپش، روشنی وغیرہ لاانتہا درجہ وسیع ہے۔ اور ان ستاروں کی تعداد، اور درمیانی مسافت لاتعداد، لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ ان ستاروں سے مسلسل مسئول ستارے خارج ہو کر مرکز کی طرف پھیلتے جاتے ہیں۔ البتہ جوں جوں یہ ستارے مرکز کی طرف پیدا ہوں گے۔ ان کی جسامت تپش، روشنی اپنی علتوں کے مقابلہ میں کم ہوتی جائے گی۔ یہاں تک کہ آسمانِ اوّل کے مرکزی نقطہ کے قریب ستارے جسامت اور قوت میں کمتر پائے جاتے ہیں۔ جن میں ایک ستارہ سورج (اَلشَّمس) کے نام سے مشہور ہے۔ اور پھر سورج سے بھی تخلیقی عمل کے تحت مزید مسئول خارج ہوتے۔ جن میں مشتری، زحل، عطارد، مریخ اور قمر ۔۔۔ جو سیارے شامل ہیں۔ ان ستاروں میں زمین ایک سیارہ ہے۔ جو آسمانِ اوّل کے عین مرکز میں واقع ہے۔ اس لئے زمین پر باقی ستاروں کے مقابلہ میں تخلیقی عمل زیادہ نمایاں محسوس ہوتا ہے۔ وہ یوں کہ عین مرکز میں ہونے کی وجہ سے اس پر آسمانی ناری فضا کا بہت کم اثر پڑتا ہے۔ بایں وجہ زمین کی ناری ہیئت تقسیم ہو کر خاکی ہیئت میں تبدیل ہوئی۔ خاکی ہیئت میں تبدیل ہونے کے اسباب بھی فطری تخلیقی عمل کے تابع ہوتے۔ کہ زمین سے اس کی قوتیں خارج ہونا شروع ہوئیں۔ جن میں مختلف قسم کی گیسیں مثلاً ہائیڈروجن، آکسیجن، نائٹروجن وغیرہ شامل ہیں۔ انہی گیسوں کی آمیزش

---

[1] خاکِ تمثیل ۱۵، صـ۲۲۲ پر



سے ہوا پیدا ہوئی۔ ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب بنا تو پانی کا وجود ظاہر ہوا۔ یہی پانی مدتہا مدت، ہزاروں سال زمین پر برستا رہا۔ جس سے زمین کی ناری[1] قوتیں مختلف شکلوں میں زمین سے خارج ہو کر ظاہر ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ زمین خالص خاکی ہیئت میں تبدیل ہو گئی۔ تو اس میں سے خاکی وجود خارج ہونے لگے۔ جن میں جمادات، نباتات اور حیوانات شامل ہیں۔ اس کیفیت کی طرف قرآن بھی اشارہ کرتا ہے۔ کہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ[2] حَيٍّ ۝ (اور ہم نے (زمین کی) ہر شے کو پانی سے (ایک خاکی) محسوس وجود میں ظاہر کیا۔

واضح ہو کہ ابتداءً زمین کرۂ ناری کی ہیئت میں تھی۔ اس زمانہ میں فطری تخلیقی عمل کے تحت زمین سے ناری اجزاء نکلتے رہے۔ انہیں ناری اجزاء میں وہ ناری ہیولے بھی شامل ہیں۔ جنہیں قرآن "جن" کے نام سے پکارتا ہے۔ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ مِنْ قَبْلُ۔ اور جنّات کو بنایا اُن کو ناری شعلوں سے (جمادات نباتات، حیوانات کے خاکی وجودوں سے) قبل۔ اور جب زمین نے پانی کے ذریعہ یکسر خاکی ہیئت اختیار کی تو فطری تخلیقی عمل کے تحت زمین کے ناری ذرّات نے پانی کی آمیزش سے محسوس شکل اختیار کر کے جمادات، نباتات اور حیوانات کی ہیئتوں میں ظہور کیا۔ حیوانات میں ایک اعلیٰ نوع انسان کی ہے۔ یہ قسم بھی زمین کی پیداوار قرار دی گئی۔ جیسا کہ قرآن نے انسانی پیدائشی ترتیب بیان کی۔ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ مِنْ حَمَاٍ

---

[1] ناری ذرّات

[2] نباتات۔ جمادات۔ حیوانات

مَسْنُوْن ۔ اللہ تعالیٰ نے اِنسان کو ایک مخصوص نظام کے تحت بنایا۔ یعنی زمین کی مٹی کے جوہری مادہ سے اِس کا جسم بنا۔ لیکن اِس کی پیدائشی ترتیب میں اِس کا بنیادی مادہ (BASIC MATERIAL) مٹی (طین) نہیں بلکہ ناری قوّت سے لیا گیا۔ جیسے قرآن میں خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ، کے مطابق ایک جان، ایک رُوح، ایک ناری ہیئت یعنی رُوحِ حیوانی سے موسُوم کیا گیا۔ یہ ہیئت دُوسری جمادات، نباتات، حیوانات کے بُنیادی وجُودوں کی طرح زمین کی جُز نہیں بلکہ ناری ہیئتوں کے جُز سے مُستعار لی گئی۔ یہ ایک رُوح تھی۔ ایک زندہ وجُود تھا۔ جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے تخلیقی منصُوبہ کے تحت مُقرّر کرکے مِنْ طِيْنٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ کے مادہ میں لاکر رکھ دیا یہی ایک ذرّۂ ناری ہے۔ جو انسان کا اصل بُنیادی وجُود ہے۔ یہی ذرّۂ ناری ہے۔ جس نے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کی آمیزش سے ایک خاکی ہیئت میں ظہور کیا۔ یہی ذرّۂ ناری ہے۔ جو بشری شکل وصُورت میں آدم کے نام سے مشہور ہُوا۔ یہی آدم بشری وجود ہے۔ جو تمام انسانی مخلوق کی علّتِ اوّل ہے۔ اِسی آدم سے تمام ذُرّیتِ آدمی علّتِ معلول کی شکل میں پیدا ہُوئی۔ پُشتِ آدم میں جتنے بشری ذرّات پائے جاتے ہیں اتنے ہی انسان علّت ومعلول کی ترتیب میں قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے۔ جیسا کہ قرآن نے اِس ترتیب کا ذکر کیا۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ بنایا اِنسان کو ناری زمین کے (جوہری مادہ) حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (لیس دار دلدلی کیچڑ کے آمیزہ) سے پھر اِس کی تخلیقی ترتیب بدل کر اِس کے ایک علّت (باپ) سے، ماں کے رحم میں بنایا۔ (پارہ ۳۰۔ سورۃ ۸۶۔ آیت ۵ تا ۷) فَلْيَنْظُرِ



الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ پس پھر مخلوق کیا انسان کو اُچھلتے پانی کے ایک ذرّے سے، جو پانی باپ کی پیٹھ سے نکلتا ہے۔ اِس پانی کے ایک ذرّہ سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور ماں کی چھاتی سے بھی ایک مادہ نکلتا ہے۔ جو ماں کے رحم میں آتا ہے۔

جس کی ایک جُز عورت کی شکل میں پیدا ہوتی ہے۔ اب آئندہ آدمؑ سے لے کر آخری فرد تک انسانی تخلیق کی یہی ترتیب مقرر ہوئی۔ کہ باپ علّت بنا جس کی جُز سے ایک بیٹا معلول ہُوا۔ آئندہ یہی بیٹا، باپ (علّت) بن کر ایک معلول پیدا کرتا ہے۔ اور یہ سلسلہ ہزار ہا سال سے جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اور آئندہ علّتِ انسانی میں جتنے اجزاء بیٹوں، بیٹیوں کی ہیئت میں انسانی وجُود میں موجُود ہیں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور آخر اِس پیدائش کا بھی ٹھہراؤ ہوگا۔ یعنی علّت اوّل میں موجود آخری معلول انسانی وجود پیدا ہوگا۔ اِس حال میں کہ کوئی وجُود باقی نہ رہے گا۔ تو اِس اختتام پر کائناتِ ارض وسمٰوات کا بھی ارادۂ الٰہی کے تحت ٹھہراؤ ہو کر قیامت کا ظہور ہوگا۔ یہ قیامت صرف آسمانوں اور زمین پر طاری ہوگی۔ باقی عالمِ نوری (جو تمثیل خاکوں میں دکھایا گیا۔) پر اِس قیامت کا نفاذ نہ ہوگا۔ کیونکہ ارادۂ الٰہی میں اصل منصُوبہ زمین اور انسان پیدا کرنے کا تھا۔ اور اِس کی تکمیل پر ہی اِس منصوبہ کا ٹھہراؤ اور قیامت کا نفاذ ہوگا۔ اِسی نفاذِ قیامت پر تخلیقِ کائنات کے نظام کا بھی تتمہ (اختتام ہوگا)، کہ آئندہ علّت ومعلول کے نظامِ تخلیق کے منصُوبہ کے ختم ہونے پر علّت ومعلول کی صُورت میں کوئی نیا وجُود پیدا نہ ہوگا۔ اور یہ ٹھہراؤ تخلیقِ کائنات کا انجام قرار پائے گا۔

# تخلیقِ کائنات

## (انسانی تحقیق سے ماخوذ دلائل کی روشنی میں)

جیسا کہ بیان کیا گیا کہ تخلیقِ کائنات کی تخلیقی ترتیب میں دو نوعیتیں ہیں پہلی نوعیت آیاتِ قرآنی کے مطابق تخلیق کی۔ اَللّٰہ۔ نورِ مستقل۔ نورِ احد۔ علتِ لامحدود سے ابتداءً خاکوں کی شکل میں پیش کی گئی۔ یہ طریقِ تحقیق صرف لِلْمُوْقِنِیْنَ کیلئے (جو محض رسول کی شخصیت پر بلا دلیل اللہ کے وجود کو قبل از وقت تسلیم کرتے ہیں۔) ہے۔

اب اس کی دوسری نوعیت وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ کے طریقِ تحقیق پر کائنات کی تخلیق اس کے تخلیقی عمل، اس کے بنیادی وجود، بنیادی علت کی پہچان کا طریق پیش کیا جاتا ہے۔

جیسے تخلیقِ کائنات میں انسان کو کائنات کی آخری تخلیق اور اس کے ٹھہراؤ (علت معلول) کو کائنات کا ٹھہراؤ (قیامت) تصور کیا جاتا ہے۔ ایسے ہی اب کائنات کے تخلیقی عمل میں انسانی تخلیق سے ابتدا کی جاتی ہے۔ چونکہ انسان خود مستقل وجود نہیں رکھتا اور کسی علت کا معلول ہے۔ یہ بھی واضح ہو چکا ہے۔ کہ انسان، بیٹے کی حیثیت میں باپ کا معلول ہے اور باپ، بیٹے (انسان) کی علت ہے۔ اور علت و معلول کا یہ سلسلہ انسانِ اوّل (آدم) تک پہنچتا ہے۔ اور یہ بھی تحقیق ہو چکا ہے کہ انسان تین قوتوں کا مرکب ہے۔

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ، انسان ایک ذرہ سے خلق ہوا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ بنایا انسان کو ایک ناری ذرہ سے جس نے زمین کے جوہری مادہ (کیچڑ) سے ایک محسوس وجود حاصل



کیا۔ اور یہ انسان کا بنیادی — جسمانی وجود کا ابتدائی نفسِ واحد (ذرہ) ساری ہیئت کی خاصیت رکھتا ہے۔ اور یہی ناری ذرہ، حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے خاک کی ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ اس کے بعد۔ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ۔ پھر انسان میں حواسِ خمسہ۔ سامعہ (کان)۔ شامہ (ناک)۔ ذائقہ (زبان)، باصرہ (آنکھ) لامسہ (چھونا) بنائے۔ اور حواسِ خمسہ کے افعال کی تکمیل کے لیے وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَۃَ ط انسانی زندگی میں حصولِ مقصد اور تحقیق و فکر کے لیے خاص قوٰی یعنی کان، آنکھیں، دماغ اور دل بنائے۔ یہ قوتیں حصولِ علم کے لیے معاون ہیں۔ اور دماغ، نفسِ واحد یعنی روح کا مسکن ہے جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے۔ اور اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرتا ہے۔ یعنی اپنے مقصد، ارادہ کی اپنے ارادے سے خود تکمیل کرتا ہے۔ اور تیسرے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ۔ انسانی ترکیب میں ایک نوری روح شامل کی گئی۔ جس سے وہ اپنے ارادہ و اختیار سے گزشتہ بیان میں شامل خاکوں کی شکل میں دکھائے گئے نوری عالموں پر غلبہ حاصل کرتا ہے۔ یا ان کی تسخیر کرتا ہے۔ یہ تینوں قوتیں وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ — انسانی وجود پر تحقیق سے علم میں آتی ہیں۔ کہ انسان خود مستقل نہیں بلکہ انسانی علت سے معلول ہوا۔ اور اس کی جسمانی ساخت نور۔ نار۔ خاک سے ہے۔ اور اس کی ہیئتِ جسمانی میں حواس دماغ، دل ایسے قوٰی (ORGANS) ہیں۔ جن سے وہ خود مختار رہ کر اپنی قوتوں کو اپنے ارادے کی تکمیل میں استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ تمام قوتیں فطری تخلیق کے تابع، انسان کی علت سے ورثہ میں آتی ہیں اور یہ امر مسلّمہ ہے کہ انسانی معلول تین کیفیتوں سے بنا ہے۔ اوّل، خاک۔ دوم، نار اور سوم، نور۔ لہٰذا ان قوتوں کا فطری

تخلیقی عمل کے تابع علت میں ہونا لازم ہے۔ اِنسان کی علت زمین خاکی ہے۔ اِس لیئے زمین میں قوتِ سمع، قوتِ بصر، قوتِ فہم، اِرادہ کا ہونا فطری تخلیق کے تحت یقینی ہے۔ اِسی طرح اِنسانی وجود میں ناری عنصر پایا جاتا ہے۔ (جو رُوحِ حیوانی یا ایتھر کے نام سے موسُوم ہے) یہ عنصر ستاروں سے مُستعار لیا گیا۔ کیونکہ کائنات میں ستاروں کی ہیئت ناری تسلیم کی جاتی ہے۔ بغیر ستاروں کے ناری ہیئت کسی وجود میں نہیں۔ اِس لیئے انسانی ناری ہیئت، ناری ہیئتوں سے تعلق رکھتی ہے۔ اِن ناری قوتوں سے ہی زمین معلول ہے۔ اِس لیئے ناری قوت میں بھی سمع، بصر، فہم اِرادہ پایا جانا یقینی اور لازمی ہے۔ اِسی طرح نوری مرکب عالمِ نوری سے مُستعار لی گئی۔ چونکہ ناری ہیئتیں نوری ہیئتوں سے معلول ہیں۔ لہٰذا معلول کی صفت کا علت میں پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تحت یقینی ہے۔ چونکہ تخلیقِ کائنات میں فطری تخلیقی ترتیب اِسی انداز سے ہے کہ نور، نار کی علت ہے، نار، نور کی معلول اور نار خاک کی علت ہے۔ لہٰذا اِس مقام پر انسانی ہیئت کو خاک (زمین) میں جذب کیا جائے تو انسان کی صفات پر زمین بھی اِنہی صفات پر تصوُّر کی جائے گی۔ زمین چونکہ ستاروں کی معلول ہے۔ اگر ستاروں کی ہیئت میں زمین کو جذب کیا جائے تو اپنی بازگشت میں زمین اپنی اصل میں، اپنے اِبتدائی تخلیقی تصوُّر پر معدوم ہو جاتی ہے۔ اور سُورج کا تصوُّر قائم ہوتا ہے۔ سُورج اپنی بازگشت میں اپنی علت میں سما جاتا ہے۔ تو سُورج کی علت کا تصوُّر قائم ہوتا ہے۔ یہ علتیں (تمام ستارے) آسمانِ اوّل میں اپنی بازگشت میں سما ئے تو آسمانِ اوّل کا ابتدائی تصوُّر قائم ہو جاتا ہے۔ اب آسمانِ اوّل کی ہیئت و حیثیت کا اصل تصوُّر قائم کرنا ہے۔ جس کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔



اوّل انسان، زمین۔ ستاروں کے وجود کی صفات خاصیتوں میں ایک خاکی۔ ناری۔ نوری مرکب کا تصوُّر دوسرے اِن وجودوں کی خاصیت یا صفت۔ ایک جسم یعنی جسامت۔ طُول و عرض میں جسمانی وُسعت۔ تیسرے ناری وجودوں کی روشنی اور تپش۔ یہ مسلمہ حقیقی خاصیتیں ظاہر ہیں۔ جن سے اِنکار نہیں۔ علت و معلول میں ہر وجود میں یہ خاصیتیں وِرثہ میں تقسیم ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ ایک مسلمہ اُصول ہے۔ کہ معلول کی صفت پر ہی علت کا تصوُّر قائم کیا جاتا ہے۔ اِس طرح ہر معلول میں سمع، بصر، فہم و اِرادہ بھی اِس کی علت سے وِرثہ میں تقسیم ہوتا ہے۔ لہٰذا معلول کی صفت پر ہی ہر علت میں تپش، روشنی، جسامت کی وُسعت، طُول و عرض ــــ سمع و بصر۔ فہم و اِرادہ پایا جانا فطری تخلیقی عمل کے تحت مسلمہ اور یقینی ہے۔ لہٰذا عالمِ نوری کے معلول کو اُس کی بازگشت میں ضم کیا جائے۔ تو ہر علت کی اِبتدائی ہیئت کا تصوُّر قائم ہو کہ، ہر علت کو اِنہی صفات۔ وسیع تپش۔ وسیع روشنی۔ وسیع جسامت، سمع، بصر، فہم و اِرادہ کے مجموعی تصوُّر کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ یہاں تک کہ کائناتِ خلقت کی تخلیقی ترتیب کے تحت تمام علتوں کی علتِ اُولیٰ، نورِ اِبتدائی میں ہر علت کو ضم[1] ہو کہ، اِس علتِ اُولیٰ کے تصوُّر میں بھی اِن صفات کے تصوُّر میں دیکھا جائے گا۔ جن میں قوتِ سمع، قوتِ بصر، قوتِ فہم، اِرادہ، لاانتہا جسامت، لاانتہا تپش، لاانتہا روشنی کا مجموعی تصوُّر قائم ہو جاتا ہے۔ یہ وجود بھی تخلیقی عمل کے تحت ایک علت کی معلول سمجھی جاتی ہے۔ لہٰذا اِس وجود کی علت کا تصوُّر ضروری ہے۔ کہ یہ

---

[1] ضم ہونے کی ترتیب کو سمجھنے کے لیے لِلمُوقِنِین کی ترتیب میں دیئے گئے خاکوں میں ہر علت کا تصوُّر قائم کیا جاتا ہے جس میں ابتداءً اس کا معلول ابھی علت میں "رتق" "رجع" ہوتا ہے

علت خود مستقل نہیں اور اس کی ہر صفت کسی علت سے وابستہ ہے۔ اس حال میں کہ
اس معلول کی ایک حد محسوس کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس معلول کے تصور میں ایک اور علت
کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ جو اس نورِ اوّل، نورِ ابتدائی کے تصور میں سامنے آتا ہے۔
اس علت کا حقیقی تصور، گزشتہ معلول وجودوں کی ذات اور صفات پر قائم کرنا ہے۔
کہ آسمانِ اوّل کے ستاروں کی ذاتی ہیئت، ان کی جسامت، لاانتہا وسعت (طول و عرض)
کی حامل ہیں۔ اسی طرح زمین سے قریب چند ستاروں کا درمیانی فاصلہ، اربوں میل پایا جاتا
ہے۔ اس تصور کے ساتھ آسمانِ اوّل کے مرکز میں فضا کا فاصلہ طول و عرض (لامحدود تصور
کے ساتھ) انتہائی وسعت کا حامل ہے۔ اسی تصور پر خود آسمان کی ذات کی جسامت،
اسی اعتبار سے تپش، روشنی جس کا انسانی ذہن کوئی تصور قائم نہیں کر سکتا۔ انہیں تصورات
کے ساتھ جبکہ معلول کی صفات پر اُس کی علت کا تصور کیا جاتا ہے۔ کائنات کی مخلوق کی
علتِ اوّل (نورِ ابتدائی) کی صفت، ذات میں لامحدود وسعت و جسامت، تپش، روشنی
میں لاانتہا (انسانی ذہن میں نہ آنے والی) وسعت۔ اس کے ساتھ وسیع سمع و بصر،
فہم و ارادہ کی صفات کے ساتھ اس علتِ اوّل کا تصور قائم ہونا ضروری ہے۔
لیکن یہ وجود خود مستقل نہیں۔ اس معلول کی علت کا بھی اسی انداز سے تصور کیا جانا
ضروری ہے۔ کہ اس علت میں بھی لامحدود جسامت (طول و عرض)، لامحدود تپش،
لامحدود روشنی۔ قوتِ سمع، قوتِ بصر، قوتِ فہم۔ قوتِ ارادہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔
اور قرآن اس تصور کو اس طرح پیش کرتا ہے۔ کہ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّذِیْ فَطَرَ النَّاسَ
عَلَيْهَا۔ اللہ کی ذات کا حقیقی تصور ویسا ہی ہے جیسا انسانی ذات و صفات کا
تصور۔ کہ انسان خود مستقل نہیں بلکہ ایک علت کا معلول ہے۔ اس کی تمام صفات اس



کی علت سے وابستہ ہیں۔ لہٰذا انسانی ہیئت پر (بحیثیت معلول) اس کی علت کا
تصور قائم کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ کائنات کی تخلیقی ترتیب سے یہ امر واضح ہے۔ کہ
علتِ اوّل تمام کائنات کی مخلوق کی علت ہے۔ اور اس علت کی بھی ایک علت ہے
اس کا تصور انسانی فطرت (تخلیق) پر کیا جاتا ہے۔ کہ یہ ایسی علت ہے جس کی جسامت
کی انتہا کسی طرح بھی احاطہ میں نہیں آ سکتی۔ جس کی تپش لاانتہا۔ جس کی روشنی
لاانتہا۔ جس میں قوی سمع و بصر پایا جاتا ہے۔ اور یہ علت اپنے فہم و ارادہ کو استعمال
کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اس صفت کے اعتبار سے جبکہ یہ علت اپنا ارادہ و اختیار
استعمال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ تصور قائم ہوتا ہے۔ کہ یہی وہ
علت لامحدود۔ یقینی لامحدود ہے۔ جو اپنا ارادہ و اختیار استعمال کرتی ہے۔ یہی
علت اپنے ارادہ و اختیار سے کائنات کی تخلیق کی ابتدا کرتی ہے۔ کہ نورِ اوّل، نورِ
ابتدائی کا وجودی مرکب اسی علت کا نور — جز کی شکل میں — پہچانا جاتا ہے اور یہ
پہچان کائنات کی فطری تخلیقی ترتیب میں خود بخود واضح اور ظاہر ہوتی ہے۔ تو اپنے وجود
میں ایک نور تخلیق کرتا ہے۔ یہ تخلیقی عمل دلالت کرتا ہے کہ یہ نور — علتِ لامحدود،
ایسی علت ہے۔ جس کے بعد کسی علتِ نور کا وجود نہ ممکن ہے۔ اور نہ اُس کی حد کا احاطہ
ہو سکتا ہے۔ اس حال میں کہ یہ نور اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کرنے کی قدرت رکھتا
ہے۔ لہٰذا اس تخلیقی عمل میں جبکہ وَفِیْ اَنْفُسِكُمْ۔ اپنی ذات سے فِطْرَتَ اللّٰهِ
الَّذِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا کی جملہ صفات کے ساتھ ہر وجود کی بازگشت میں اس کی
علت کو پہچانا جائے۔ تو یہ تمام پہچان، نورِ اوّل، نورِ ابتدائی پر آ کر ختم ہو جاتی ہے۔
تو اس پہچان میں یہ تحقیق ہوتی ہے کہ تمام کائناتِ عالم کے تمام وجودوں کی بنیادی

"علت" (BASIC MATERIAL)، نورِ اوّل، نورِ ابتدائی ہی سامنے آتا ہے۔ تو کائنات کی ہر شے میں نورِ ابتدائی کے بنیادی مرکب کو پہچانا جائے۔ تو اِس نور کو، ہر شے کے بنیادی وجود میں پہچانا گیا نور تصور کیا جائیگا۔ جسے عربی اصطلاحِ قریش میں "محمدؐ" کے تعارفی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور یہ نور ایک عظیم نور کے مرکز میں، اسی نور سے معلول ہے۔ تو اِس علت کو جبکہ انسانی ذہن اِس کی ابتداء، مکان و زمان کے تصوّر میں کسی حد کو نہیں پاتا۔ اور جس کی ذات کی تحقیق و فکر میں انسانی ذہن حیرت و درماندگی میں پڑ جاتا ہے۔ عربی اصطلاحِ قریش میں "اللہ" کے تعارفی نام سے پکارا جاتا ہے۔ لہٰذا وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ کی ترتیب پر تحقیق و فکر کرنے سے بھی لِلْمُوْقِنِیْنَ کی تحقیق و فکر کے عین مطابق اِس کائنات کی ابتداء "اللہ" کے نور سے ثابت ہوتی ہے۔ اور علت ہونے کے اعتبار سے خود علت اپنے معلول کی خالق ہوتی ہے۔ اِس لئے تخلیقِ کائنات کی تحقیق و فکر میں اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ۔ کی آیت کی راہنمائی میں کائنات کی تخلیق میں ایسے تخلیقی نشان پائے جاتے ہیں۔ جن سے کائنات کی علت کا پتہ چل جاتا ہے۔ اور فطری تخلیقی عمل کے تحت خود علت ہی معلول کی خالق کے تصور میں "اللہ" کو کائنات کا خالق قرار دیا جاتا ہے۔

تمت بالخیر

محمد نور الدین اویسی
(۳۴۰۴۔ لنک روڈ۔ ایبٹ آباد پاکستان)



# شجرۂ عالیہ اُویسیہؒ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

دِل کو اطمینان ہو راحت ہو جاں کے واسطے
میرے مُرشد مولوی محمد امینؒ کے واسطے

دِل میں نورِ معرفت آئے بصیرت آنکھ میں
رہبرِ دین حضرتِ نورالزماںؒ کے واسطے

علمِ قرآں سے مَیں ہو جاؤں سزاوارِ بہشت
شاہ عارفؒ قاریٔ خلد آشیاں کے واسطے

اَے خدا تیری مشیّت ہر قدم پر ساتھ ہے
شاہِ لونگؒ آں رہنمائے سالکاں کے واسطے

سِرِّ عرفاں سے مجھے آگاہ لطف اندوز کر
آں شہِ عبد اللطیفؒ نکتہ داں کے واسطے

عشق میں تیرے رہوں ممتاز اَقراں اَے خُدا
خواجہ قرنیؒ امامِ عاشقاں کے واسطے

دولتِ رُوحانیت سے مجھ کو مالا مال کر
شیرِ حق حیدرؓ شہِ روحانیاں کے واسطے

دو جہاں میں اپنی رحمت سے مجھے کر بہرہ مند
رحمتِ عالمؐ شہِ کون و مکاںؐ کے واسطے

# شجرۂ عالیہ قادریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بمولانا و پیرِ کاشمیری　　بحضرت شاہ محمد آمین نامی

بمولانا شہِ نورالزماں خانؒ　　بحافظ عارفؒ ذی علم و عرفاں

بحضرتِ لونگؒ قطب دیں پناہی　　بشیخ عبداللطیفؒ شہ بھٹائی

بحضرت شاہ حبیب اللہ نامیؒ　　بشاہِ عبدقدوسؒ گرامی

بحضرت شاہ جمالِ معنوی غوثؒ　　شاہ عبدالکریم بلہڑی غوثؒ

بہ سلطانِ براھیم بہاریؒ　　بحضرت شیخ احمد لطف بہاریؒ

بحضرت شہ علی احمدؒ گرامی　　بحضرت شاہ شرف الدینؒ نامی

بحقِ شہ شہابُ الدین قاسمؒ　　بشاہ بدر دینؒ اہلِ مراسم

بحقِ شاہ نورالدینؒ پُر انوار　　بحقِ شاہِ شمسُ الدینؒ دیندار

بسیف الدین بن یحیٰے محمدؒ　　بآں شاہِ ظہیرالدین احمدؒ

بآں بُو صالح نصرِ مکرمؒ　　بحقِ سیدِ عبدالرزاقؒ

بحقِ غوثِ اعظم شاہِ جیلاںؒ　　بشاہِ بُوسعید آں شیخِ دوراںؒ

بشاہ بوالحسن ابنِ علی پیرؒ　　محمد یُوسفِ قرشی رضاگیرؒ

بشیخ بُوالفرح طرطوسی ماؒ　　ابُو الفضلِ یمینیؒ ہادیٔ ما

بحقِ حضرت بُوبکر شبلیؒ　　بآں سیدِ جُنیدِ باغدادیؒ



بحقِ بوالحسن سری سقطیؒ　　بحقِ خواجہ امامِ معروف کرخیؒ

بحضرت جعفرِ صادق مکرمؒ　　بحضرت باقرِ شاہِ معظمؒ

بزین العابدین سجادِ ذی شانؓ　　بحسنینؓ آں امامان و شہیدانؓ

بحقِ حیدرِ شاہِ ولایتؓ　　بحقِ حضرتِ ختم الرسالتؐ

مرا راضی کُن و راضی شو از من

ز عصیان و ضلالت دار ایمن

---

# شجرۂ عالیہ نقشبندیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شربتِ کوثر کا طالب ہے تو آ اے مومن اگر　　ساقیِ کوثر کے خادم محمدامیں کے پاس آ
جان و دل کو ساتھ لا اُس پر خدا کے واسطے

بادۂ وحدت کا طالب اور شارب ہے تو آ　　نورالزماں دے رہا ہے دیں کا طالب ہے تو آ
جان و دل کو ساتھ لا اُس پر خدا کے واسطے

سنتِ نبوی پہ چلنے کا جو طالب ہے تو آ　　رنگِ صدیقی سے بکھرا اُس کا جاذب ہے تو آ
رنگ جا رنگِ صحابہؓ میں خدا کے واسطے

کر منور نور سے اپنے ہمیں مثلِ سحر　　ظلمتِ عصیاں ہو ہم سے دور اے ربُ البشر
فردِ توحید مجرد نورالزماں کے واسطے

ہوں عمل محمود میرے اور حامد ہو زباں　　طاعتِ حق میں ہوں مصروف میں ہر دم بجاں
شاہ مظفر شاہ صاحب بے ریا کے واسطے

ہو غلامی پیر کی کامل نصیبِ دوستاں　　جس سے ہو جاتا ہے حاصل قربِ رحمٰن بے گماں
شہ غلام علیؒ اہلِ دعا کے واسطے

مظہرِ صدق و صفا ہے مرشدِ کامل مرا　　میں فنا ہو جاؤں اُس میں ہو وقت اندر فنا
شیخ کامل جانِ جاناں میرزا کے واسطے

نور کی تیری دو عالم میں چمک ہے جابجا　　کر منور دل کو میرے اور ظلمت سے بچا
حضرتِ نور محمدؒ پُرضیا کے واسطے



ہیں ترے احسان ہم پر بے شمار اے ذوالمنن　　فضل سے پیر کے ہمارے دور ہوں رنج و محن
حضرتِ محسنؒ سراجُ الاولیاء کے واسطے

ہے تمنا میری تجھ سے یہ کہ اے شاہِ حمیدؒ　　اپنی سیفِ عشق سے مجھکو بھی تو کر دے شہید
شاہ سیف الدینؒ شاہِ دوسرا کے واسطے

زہد و تقویٰ مجھ کو دے معصوم کا سا اے خدا　　زنگِ عصیاں سے مُصفا کر الٰہی دِل مرا
خواجۂ معصومؒ شاہِ اصفیا کے واسطے

ہو مجدد دین کا اور خادم شرعِ متین　　مولوی نورالزماںؒ ہے پیر میرا اے خداوندِ معین
حضرتِ احمد مجددؒ مقتدا کے واسطے

تو ہے باقی ہم ہیں فانی تو ہے مولا ہم غلام　　رکھ کمربستہ عبادت میں ہمیں اپنے مدام
باقی باللہؒ شاہِ اقلیمِ بقا کے واسطے

خواجگی دارین کی دے مجھ کو اے شاہِ جہاں　　خواری دارین سے مجھ کو بچا اے مستعاں
خواجۂ امکنگیؒ امام الاتقیاء کے واسطے

بے نوا بے برگ ہوں محتاج ہوں درویش ہوں　　فضل کر مجھ پر کہ میں خوار ہوں دلریش ہوں
خواجہ درویشؒ محمد بادشاہ کے واسطے

زاہدوں کے ساتھ میں ہو حشر میرا بھی ضرور　　گرچہ مجھ میں ہیں بھرے لاکھوں خطائیں اور قصور
حضرت زاہدؒ محمد پارسا کے واسطے

عبد کر لے خاص اپنا مجھ کو تو مثلِ عبیدؒ　　دور کر دے میرے دل تو خیالِ عمرو زید
شاہ عبیداللہؒ صاحب باعطا کے واسطے

ہجرِ الفت میں ہے دِل مثلِ گردوں بیقرار
ڈھونڈتا تجھ کو پھروں دن رات جوں لیل و نہار
خواجۂ یعقوبؒ چرخی پیشوا کے واسطے

دے علوی مرتبت توحید میں مجھ کو خدا
سب میں تیرا ہی میں دیکھوں جلوہ مولا برملا
شیخ علاؤالدینؒ تاج الاصفیا کے واسطے

نقش ہو جان و دل پہ میرے مثلِ پیرِ نقشبند
دل ہو میرا نقشبندی اور جان ہو دردمند
شہ بہاؤالدینؒ شہ شاہ و گدا کے واسطے

کاسۂ حرص و ہوا کو توڑ دے میرے صبور
جام دل میں میرے بھر دے بادۂ عشق و سرور
حضرت میر کلالؒ مقتدا کے واسطے

بندگانِ خاص میں لکھ دے الٰہی میرا نام
یعنی ہو جاؤں محمد پہ میں قربان لا کلام
باباسماسیؒ محمد جاں فدا کے واسطے

خلق سے بیزاری ہو وردِ زباں ہو یا علیؓ
سب لطائف کو میرے کر دے جاری اے قوی
اس علی رامیتنیؒ حق نما کے واسطے

حمد ہو وردِ زباں اور دل میں ہو تسبیح رب
ہر سرِ مو سے ہو جاری ذکر سلطاں روز و شب
حضرت محمودؒ صاحب خوش ادا کے واسطے

کر دے عارف دے کے عرفاں اے میرے بندہ نواز
نحن اقرب نے سنایا اب دکھا دے اُس کا راز
شہ محمد عارفؒ ذاتِ خدا کے واسطے

ہے تو ہی ہر چیز کا خالق خدائے لایزال
دے مجھے چشم بصیرت اور عبادت میں کمال
عبدالخالقؒ پارسا بدرالدجیٰ کے واسطے



گریۂ یعقوب سے تو چشمِ دل آباد رکھ
چاہ میں اپنی خدایا دل ہمارا شاد رکھ
یوسف ہمدانیؒ شمس الضحیٰ کے واسطے

وِرد ہو ہر لحظہ میرا یا علی و یا عظیم
اور رہے طاعت میں تیری دل میرا ہر دم سلیم
بوعلی فارمدؒ نور الہدیٰ کے واسطے

دوستوں پر منقسم کر دیں اور حور و قصور
عاشقوں کو تو دکھا دے جلوۂ انوارِ طور
خواجہ بوالقاسمؒ عزیز دوسرا کے واسطے

دے مجھے توفیق نیک اعمال کی اے ذوالمنن
ہادیٔ مطلق ہے تو ہی سب کا رب بے سخن
بوالحسن خرقانیؒ پیرِ ہدیٰ کے واسطے

آتشِ جاں حرز دے دل میں تو مثلِ بایزید
جان و دل سب ہی نہیں لیکن کہیں ھل من مزید
بایزیدؒ شاہِ دیں اوّل بقا کے واسطے

دل میرا صدق و صفا کا کر دے مخزن اے خدا
فضل سے اپنے تو کر دے میری پوری التجا
جعفر صادقؓ شۂ ملکِ رضا کے واسطے

تیرے ہی سب نام پر تقسیم کر دوں مال و جاں
مال و جاں تجھ پر فدا کیا بلکہ سب ہی خانماں
اُس امام قاسمؓ بحرِ سخا کے واسطے

جادۂ نبوی پہ میں قائم رہوں دائم رہوں
اور رسومِ شرک و بدعت کا بدل بادم رہوں
حضرت سلمانؓ فارس پارسا کے واسطے

جوشِ صدیقی ہو دل میں نعرہ زن ایسا کریم
جس سے ٹکڑے ہوں جگر کے اور دل بھی ہو دو نیم
حضرت صدیق اکبرؓ باصفا کے واسطے

قلب میں ہو عشق تیرا اور بھرا وحدت کا نور  درد ہو دل ماسوا سے ماسوا ہو دل سے دور
عاشقِ اوّل محمد مصطفٰے کے واسطے

یا الٰہی بادۂ وحدت کا دے دے ایک جام  محو ہو دل سے دوئی باقی رہے اک تیرا نام
اپنی ذاتِ لم یزل دائم بقا کے واسطے

ہو سعید ور منشی پر الطاف کی یا رب نظر  مضطرب بے تاب ہیں افکار سے شل شرر
اپنے فضل و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

---



# درودِ منظوم رأسُ التابعین امامُ العاشقین

## سیّدنا خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالٰی عنہٗ

---

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاسِ
مِنْهُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ فِیْ حُرِّ غَدٍ
کُلُّ مَنْ یَظْمَأُ یَسْقِیْهِ رَحِیْقَ الْکَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَاءِ الْکَرَمِ
خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْهِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُوْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
مُبْدِلِ الْوَحْشَةِ فِی الْقَبْرِ بِاسْتِیْنَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِهٖ بِالرَّاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ نِعَمٍ دَائِمَةٍ
اَنْعَمَ الْیَوْمَ عَلَی الْخَیْرِ بِلَا مِقْیَاسِ
صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ
فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَاءَ مِنَ الْخَنَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى ذِىْ كَرَمٍ اُمَّتُهٗ
تَدْخُلُ الْجَنَّةَ فِى الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسٍ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ هُوَ لَوْلَاهُ لَمَا
يَشْمَلُ النَّامِيَةُ الْكَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ هُوَ مِنْ عِصْمَتِهٖ
يَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّيْهِ مِنَ الْخَنَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ هُوَ مَنْ عَاذَ بِهٖ
لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَيْهِ يَدُ ذِي الْوَسْوَاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ هُوَ مِنْ بَارِقَةٍ
اَلسَّيْفِ قَدْ اَذْهَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ
مَيَّزَ النَّاسَ بِهِ الْفَصْلَ مِنَ الْاَجْنَاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ لِنَخِيْلِ الْكَرَمِ
فِىْ رِيَاضِ الْاُمَمِ الْيَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ بِغِنَاءِ الْكَرَمِ
مِنْ بُيُوْتِ الْفُقَرَاءِ يَذْهَبُ بِالْاَفْلَاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى عِتْرَتِهِ الطَّاهِرَةِ
وَعَلَى الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ

صَلِّ يَا رَبِّ عَلٰى مَنْ لِاُوَيْسٍ مِنْهُ
طَفَرَ الْقَالِبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْاَدْنَاسِ



# خاتمہ

خاتمہ میں ایک نہایت مہتم بالشان چیز کو ذکر کرتا ہوں اور اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں۔ یہ تسبیحات جن کا اُوپر ذکر کیا گیا نہایت ہی اہم اور دین و دنیا میں کارآمد اور مفید ہیں جیسا کہ احادیث بالا سے معلوم ہُوا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اہتمام اور فضیلت کی وجہ سے ایک خاص نماز کی ترغیب بھی فرمائی ہے جو صلوٰۃ التسبیح (تسبیح کی نماز) کے نام سے مشہور ہے اور اسی وجہ سے اس کو صلوٰۃ التسبیح کہا جاتا ہے کہ تسبیحات اُس میں تین سو مرتبہ پڑھی جاتی ہیں۔ حضورؐ نے بہت ہی اہتمام اور ترغیبوں کے ساتھ اس نماز کو تعلیم فرمایا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ رضؓ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ اَلَا اُعْطِيْكَ اَلَا اَمْنَحُكَ اَلَا اَحْبُوْكَ اَلَا اَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ اِذَا اَنْتَ فَعَلْتَ ذٰلِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ اَوَّلَهٗ وَاٰخِرَهٗ قَدِيْمَهٗ وَحَدِيْثَهٗ خَطَاَهٗ وَعَمَدَهٗ صَغِيْرَهٗ وَكَبِيْرَهٗ سِرَّهٗ وَعَلَانِيَتَهٗ اَنْ تُصَلِّيَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَاُ فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً فَاِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِيْ اَوَّلِ رَكْعَةٍ وَاَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُوْلُهَا وَاَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَاْسَكَ مِنَ الرُّكُوْعِ فَتَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِيْ سَاجِدًا

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنے چچا حضرت عباسؓ سے فرمایا اے عباس اے میرے چچا کیا میں تمہیں ایک عطیہ کروں ایک بخشش کروں ایک چیز بتاؤں تمہیں دس چیزوں کا مالک بناؤں جب تم اس کام کو کرو گے تو حق تعالیٰ شانہٗ تمہارے سب گناہ پہلے اور پچھلے پرانے اور نئے غلطی سے کئے ہوئے اور جان بوجھ کر کئے ہوئے چھوٹے اور بڑے چھپ کر کئے ہوئے اور کھلم کھلا کئے ہوئے سب ہی معاف فرما دیں گے وہ کام یہ ہے کہ چار رکعت نفل (صلوٰۃ التسبیح کی نیت باندھ کر) پڑھو اور ہر رکعت میں جب الحمد اور سورت پڑھ چکو تو رکوع سے پہلے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ پندرہ مرتبہ پڑھو پھر جب رکوع کرو تو دس مرتبہ اسی میں پڑھو پھر جب رکوع سے کھڑے ہو تو دس مرتبہ پڑھو پھر

تقولها وانت ساجد عشرا ثم ترفع راسك من السجود فتقولها عشرا ثم تسجد فتقولها عشرا ثم ترفع راسك فتقولها عشرا فذلك خمس وسبعون في كل ركعة تفعل ذلك في اربع ركعات ان استطعت ان تصليها في كل يوم مرة فافعل فان لم تفعل ففي كل جمعة مرة فان لم تفعل ففي كل شهر مرة فان لم تفعل ففي كل سنة مرة فان لم تفعل ففي عمرك مرة.

سجدہ کرو تو دس مرتبہ اس میں پڑھو پھر سجدے سے اٹھ کر بیٹھو تو دس مرتبہ پڑھو پھر جب دوسرے سجدہ میں جاؤ تو دس مرتبہ اس میں پڑھو پھر جب دوسرے سجدے سے اٹھو تو (دوسری رکعت میں) کھڑے ہونے سے پہلے بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو۔ ان سب کی میزان پچھتر ہوئی۔ اسی طرح ہر رکعت میں پچھتر دفعہ ہوگا اگر ممکن ہو سکے تو روزانہ ایک مرتبہ اس نماز کو پڑھ لیا کرو، یہ نہ ہو سکے تو ہر جمعہ کو ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مہینہ میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر سال میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو، یہ بھی نہ ہو سکے تو عمر بھر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔

(رواه ابو داؤد وابن ماجة والبيهقي في الدعوات الكبير وروى الترمذي عن ابي رافع نحوه كذا في المشكوة قلت واخرجه الحاكم وقال هذا حديث وصله موسى بن عبد العزيز عن الحكم بن ابان وقد اخرجه ابو بكر محمد بن اسحق وابو داؤد وابو عبد الرحمن احمد بن شعيب في الصحيح ثم قال بعد ما ذكر توثيق رواته واما ارسال ابراهيم بن الحكم عن ابيه فلا يوهن وصل الحديث فان الزيادة من الثقة اولى من الارسال على ان امام عصره في الحديث اسحق بن ابراهيم الحنظلي قد اقام هذا الاسناد عن ابراهيم بن الحكم ووصله اه قال السيوطي في اللآلي هذا اسناد حسن وما قال الحاكم اخرجه النسائي في كتاب الصحيح لم نره في شيء من نسخ السنن لا الصغرى ولا الكبرى)

(٣) وعن ابي الجوزاء عن رجل كانت له صحبة يرون انه عبد الله بن عمرو قال قال لي النبي صلى الله عليه وسلم ائتني غدا احبوك واثيبك واعطيك حتى ظننت انه يعطيني عطية قال اذا زال النهار

ایک صحابی کہتے ہیں مجھ سے حضور نے فرمایا کل صبح کو آنا تم کو ایک بخشش کرونگا۔ ایک چیز دونگا۔ ایک عطیہ کرونگا وہ صحابی کہتے ہیں میں ان الفاظ سے یہ سمجھا کہ کوئی (مال) عطا فرمائینگے (جب میں حاضر ہوا) تو فرمایا کہ جب دوپہر کو آفتاب ڈھل جائے تو چار رکعت نماز پڑھو اسی طریقہ



فتقوم فتصلي اربع ركعات فذكر نحوه وفيه وقال فانك لو كنت اعظم اهل الارض ذنبا غفر لك بذلك قال قلت فان لم استطع ان اصليها تلك الساعة قال صلها من الليل والنهار (رواه ابو داؤد)

سے بتایا جو پہلی حدیث میں گذرا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ اگر تم ساری دنیا کے لوگوں سے زیادہ گنہگار ہو گے تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے میں نے عرض کیا کہ اگر اس وقت میں کسی وجہ سے نہ پڑھ سکوں تو ارشاد فرمایا کہ جس وقت ہو سکے دن میں یا رات میں پڑھ لیا کرو۔

(٣) عن نافع عن ابن عمر قال وجه رسول الله صلى الله عليه وسلم جعفر بن ابي طالب الى بلاد الحبشة فلما قدم اعتنقه وقبل بين عينيه ثم قال الا اهب لك الا ابشرك الا امنحك الا اتحفك قال نعم يا رسول الله قال تصلي اربع ركعات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت جعفر کو حبشہ بھیج دیا تھا جب وہ وہاں سے واپس مدینہ طیبہ پہنچے تو حضور نے ان کو گلے لگا لیا اور پیشانی پر بوسہ دیا پھر فرمایا میں تجھے ایک چیز دوں ایک خوشخبری سناؤں ایک بخشش کروں ایک تحفہ دوں۔ انہوں نے عرض کیا ضرور۔ حضور نے فرمایا چار رکعت نماز پڑھ۔ پھر اسی طریقے سے بتائی جو اوپر گذرا۔ اس حدیث میں ان چار کلموں کے ساتھ لاحول ولا قوة الا بالله العلي العظيم بھی آیا ہے

فذكر نحوه (اخرجه الحاكم وقال اسناد صحيح لا غبار عليه وتعقبه الذهبي بان احمد بن داؤد كذبه الدارقطني كذا في المنهل وكذا قال غيره تبعا للحافظ لكن في النسخة التي بايدينا من المستدرك وقد صحت الرواية عن ابن عمر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم علم ابن عمه جعفرا ثم ذكر الحديث بسنده وقال في اخره هذا اسناد صحيح لا غبار عليه وهكذا قال الذهبي في اول الحديث واخره ثم لا يذهب عليك ان في هذا الحديث زيادة لا حول ولا قوة الا بالله العلي العظيم ايضا على الكلمات الاربع)

(۴) وعن العباس بن عبد المطلب قال قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم الا اهب لك الا اعطيك الا امنحك فظننت انه يعطيني من الدنيا شيئا لم يعطه

حضرت عباس فرماتے ہیں مجھ سے حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں بخشش کروں، ایک عطیہ دوں، ایک چیز عطا کروں۔ وہ کہتے ہیں میں یہ سمجھا کہ کوئی دنیا کی ایسی چیز دینے کا ارادہ ہے جو کسی کو نہیں دی (اسی وجہ سے اس قسم کے الفاظ بخشش عطا وغیرہ کو بار بار فرماتے ہیں) پھر آپ نے چار رکعت نماز

اَحَدًا اِسْتَقْبَلَ قَالَ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ۔

سکھائی جو اوپر گزری، اسمیں یہ بھی فرمایا کہ جب التحیات کیلئے بیٹھو تو پہلے ان تسبیحوں کو پڑھو پھر التحیات پڑھنا۔

(وذكر الحديث وفي آخره غير انك اذا جلست للتشهد قلت ذلك عشر مرات قبل التشهد الحديث اخرجه الدارقطني في الافراد وابو نعيم في القربان وابن شاهين في الترغيب كذا في اتحاف السادة شرح الاحياء)

⑤ قَالَ التِرمذي وقد روى ابن المبارك وغير واحد من اهل العلم صلوة التسبيح وَذَكَرُوا الْفَضْلَ فِيْهِ حَدَّثَنَا اَحْمَدُ بْنُ عَبْدَةَ نَا اَبُوْ وَهْبٍ سَاَلْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الْمُبَارَكِ عَنِ الصَّلٰوةِ الَّتِيْ يُسَبَّحُ فِيْهَا قَالَ يُكَبِّرُ ثُمَّ يَقُوْلُ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ ثُمَّ يَقُوْلُ خَمْسَ عَشْرَةَ مَرَّةً سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ يَتَعَوَّذُ وَيَقْرَاُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَفَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُوْرَةً ثُمَّ يَقُوْلُ عَشْرَ مَرَّاتٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ثُمَّ يَرْكَعُ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَسْجُدُ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اور بہت سے علماء نے اس نماز کی فضیلت نقل کی گئی ہے اور اس کو یہ طریقہ نقل کیا گیا ہے کہ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے بعد اَلْحَمْدُ شریف پڑھنے سے پہلے پندرہ دفعہ ان کلموں کو پڑھے پھر اَعُوْذُ اور بِسْمِ اللّٰہ پڑھ کر اَلْحَمْدُ شریف اور پھر کوئی سورت پڑھے، سورت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ پڑھے پھر رکوع میں دس مرتبہ پھر رکوع سے اٹھ کر پھر دونوں سجدوں میں اور دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھ کر دس دس مرتبہ پڑھے یہ پچھتر پوری ہو گئی (لہذا دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی) رکوع میں پہلے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدہ میں پہلے سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى پڑھے، پھر ان کلموں کو پڑھے (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی طریقہ سے نقل کیا گیا ہے)

يَرْفَعُ رَاْسَهٗ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا ثُمَّ يَسْجُدُ الثَّانِيَةَ فَيَقُوْلُهَا عَشْرًا يُصَلِّيْ اَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عَلٰى هٰذَا فَذٰلِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُوْنَ تَسْبِيْحَةً فِيْ كُلِّ رَكْعَةٍ ثُمَّ قَالَ قَالَ اَبُوْ وَهْبٍ اَخْبَرَنِيْ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّهٗ قَالَ يَبْدَاُ فِي الرُّكُوْعِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِي السَّجْدَةِ بِسُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثًا ثُمَّ يُسَبِّحُ التَّسْبِيْحَاتِ قَالَ عَبْدُ الْعَزِيْزِ قُلْتُ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْمُبَارَكِ اِنْ سَهَا فِيْهَا يُسَبِّحُ

''۔۔۔یوں تو مسلمانوں میں نہ شریعت کی روح باقی ہے۔ اور نہ ہی طریقت کی روح پائی جاتی ہے۔ جس وجہ سے یہ روحانی صحیفہ عامۃ المسلمین کے لئے بے قیمت اور بے مقصد ہو کر رہ گیا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس صحیفہ کو اس کی روحانی عظمتوں کے ساتھ پیش کیا جائے جس سے زندگی کے ہر شعبہ میں انسانی کامیابی ظاہر ہو۔ قرآن کے نزول کی اصل علت یعنی معرفت الٰہی اور طریق حصول معرفت کے علم کو خصوصی طور پر پیش کیا جائے تا کہ ہر انسان پر قرآنی حقائق اور اصل علم واضح ہوں۔

اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر رسالہ ''منازل فقر'' ترتیب دیا گیا ہے تا کہ ہر شخص کا قرآن کی روحانیت کی طرف رجوع ہو۔ اور وہ اسی طریق و علم کے تحت قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ یہ طریق ہر خاص و عام کے لئے مقرر ہے کہ ہر شخص قرآن کو روحانی صحیفہ کی حیثیت سے مطالعہ میں لائے۔ اور چونکہ اس طریق کا تعلق متشابہات سے ہے۔ اور منازل فقر بھی متشابہات میں شمار ہیں۔ اس لئے یہ رسالہ ''منازل فقر'' طالبان راہ حقیقت کے لئے خصوصی طور پر ایک کسوٹی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے۔ ولایت و روحانیت کا دعویٰ کرنے والے علماء جب تک ان اسرار سے آگاہ نہ ہوں ان پر لازم ہے کہ ولایت کا دعویٰ نہ کریں۔ اور نہ ہی اپنے موجودہ مقام پر لوگوں کو روحانیت کا سبق دیں۔ نہ لوگوں کو بیعت کریں اور نہ ہی کسی کو معرفت حاصل کرانے کی ذمہ داری اپنے سر لیں۔

اس رسالہ میں طالبان حقیقت کے لئے بھی ایک طریق پیش کیا جاتا ہے کہ ''منازل فقر'' کا مطالعہ کرنے کے بعد ہر شخص ولایت کے دعویدار میں ان خصوصیات کو تلاش کرے کہ آیا ایسا ولی ان منازل کو طے کر کے مقام فنا و قرب الٰہی اس حد تک پا چکا ہے کہ اسے ولی اکمل کا درجہ حاصل ہو۔۔۔''